غالب

پر چند تحقیقی مطالعے

پروفیسر نذیر احمد

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

غالب پر چند تحقیقی مطالعے

غالب پر چند تحقیقی مطالعے

پروفیسر نذیر احمد

سنہ اشاعت ـــــــــ ۱۹۹۶ء
زیر اہتمام ـــــــــ شاہد ماہلی
پریس ـــــــــ عزیز پرنٹنگ پریس دہلی
قیمت ـــــــــ ساٹھ روپے

ناشر

غالب انسٹی ٹیوٹ

ایوانِ غالب مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

غالب پر چند تحقیقی مطالعے

غالب پر یہ چند مطالعے ادھر دو تین سالوں میں غالب انسٹی ٹیوٹ (نئی دلی)
کے مجلہ "غالب نامہ" میں شائع ہوتے ہیں، ان میں سے آخری مقالے کا تعلق براہِ راست
غالب سے نہیں، وہ وارستہ سیالکوٹی کے مصطلحات پر ہے، وارستہ کی وفات کے قریب
ہی غالب کی پیدائش ہوئی ہے اس لیے میں نے اس کو غالب کا قریبی معاصر قرار دیا ہے۔ وارستہ
اور غالب کی فکر میں ایک لحاظ سے قربت ہے، وہ یہ کہ غالب کے نزدیک ہندی فارسی نویس
خواہ شاعر ہوں یا ادیب، قابلِ تقلید نہیں، دراصل قابلِ تقلید صرف ایرانی انشاپرداز اور شاعر
ہیں۔ وہ ہندی الاصل محاورات کو بالکل تسلیم نہیں کرتا، وہ ہندوستانی فارسی شعرا کے اشعار کو
بطورِ سند پیش نہیں کرتا، اس کے نزدیک ہندوستانی زبان دان فارسی کے لیے سند نہیں مانے
جاسکتے، غالب بھی اسی خیال کے حامل تھے، چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ
> کے سوا کوئی استادِ مسلم الثبوت نہیں ہوا ..... میر فیضی بھی نغز گوئی میں
> مشہور ہے ..... ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا، منت
> اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔"

دونوں کی اس فکری اتحاد کی بنا پر وارستہ والا مضمون بھی اس مجموعے میں شامل کر لیا ہے۔

مجموعے کے مقالے تحقیقی ہیں اور ہر ایک میں غالب کی زندگی یا شخصیت پر کچھ نہ کچھ نئی بات مل جائے گی۔ اسی بنا پر غالب فہمی میں ان سے اضافے کی توقع ہے۔ اگر ایسا ہو تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش بیکار نہیں گئی۔

نذیر احمد

علی گڑھ، ۱۲؍دسمبر ۱۹۹۲ء

ترتیب

غالب کے بعض اردو

خطوط سے متعلق کچھ علمی و ادبی مسائل

(۱)

غالب کے خطوط میں جتنے علمی و ادبی مسائل ملتے ہیں، کم لوگوں کے خطوط میں اتنے مسائل ملیں گے راقم نے اپنے بعض مقالات میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے، آج کی گفتگو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

نواب علائی کے ایک خط میں مرزا نے ایک اہم لغوی بحث چھیڑی ہے، اور اس ضمن میں بعض دوسرے امور بھی آ گئے ہیں۔ اس خط کے چند جملے یہ ہیں۔

"ہر چند تمہارا ہر کلمہ ایک بذلہ ہے، لیکن اس خسرا اور خسرانی نے مار ڈالا، کیا کہوں جو مجھ کو مزا ملا ہے، کہاں خُسر و خسران لغات عربی الاصل وکہاں روزمرہ مشہور کہ خسر سسرے کو کہتے ہیں۔ صنعت اشتقاق وطباق کو کس سینہ زوری سے برتا ہے، اچھا میاں! یہ خُسر بمعنی پدرِ زن کیا لفظ ہے، حروف بین الفارسی والعربی مشترک ہیں لیکن ان معنوں میں نہ فارسی ہے نہ عربی ہے، فارسی میں پدر زن بہ ننگ اضافت کہتے ہیں، عربی جس طرح بہ معنی نقصان لغت منعرف ہے، شاید سُسرے کا اسم جامد ہو یا فی الحقیقت سُسرے کی تفریس وتعریب ہو، یہ پرسش نہ بہ سبیل استہزا ہے بلکہ بطریق استفسار واستعلام ہے، جو تمہیں معلوم ہو بلکہ اگر تم پر مجہول ہو تو معلوم کر کے مجھے لکھ بھیجو،" (غالب کے خطوط ج ا ص ۵۰۴)

قبل اس کے کہ جو موضوع اس عبارت میں معرض بحث میں لایا گیا ہے اس کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے، ضروری ہے کہ جو اصطلاحیں یا تشریح طلب الفاظ اس میں آ گئے ہیں، ان کی وضاحت کر دی جائے۔

"روزمرہ"، ہر روز، روزانہ، ـــ یہ لغوی معنی ہے، یہ ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق اس فقرے پر ہوتا ہے۔ جو کثرت استعمال سے ایک ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ جیسے جان و دل صحیح ہے، جان و خاطر صحیح نہیں۔ اسی طرح خوش خلق صحیح ہے۔ خوش عادت صحیح نہیں، پریشان خاطر صحیح، پریشان جان، یا پریشان جگر صحیح نہیں، خوش و خرم روزمرہ صحیح ہے، خرم و خوش صحیح نہیں۔ اسی طرح پر ہیں۔ آب و ہوا، حال دل، ذہن نشین، دل نشین، دلکش، دلفریب، صحیح صورتیں ہیں۔ ان کے مقابل ہوا و آب، حال جگر، جاں نشین، خاطر کش، جان فریب، صحیح روزمرہ نہیں، روزمرہ محاورے کے ساتھ بولا جاتا ہے مگر محاورے کی صورت الگ ہے یہ مجاز کی ایک قسم ہے، مجاز میں لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ مثلاً زیادہ گرمی کی کیفیت کو محاورہ کی صورت میں یوں کہیں گے۔ آگ برس رہی ہے۔ یہاں آگ اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہے۔

اشتقاق: ایک صنعت لفظی ہے جس کی دو دو یا زیادہ الفاظ اس طرح کے استعمال ہوں جن کے حروف "متقارب"، یا "متجانس"، ہوں جیسے اس بیت میں ؎

وصفت رسیدست شاعر بہ شعری

زنعت گرفتست راوی روائی

شاعر و شعری، راوی و روائی میں اشتقاق ہے۔ یا قرآن کی یہ آیات ملاحظہ ہوں:

یا اسفیٰ علیٰ یوسف، اسلمتُ مع سُلیمان، فاقم وجہک لدین القیم۔

اشتقاق سے بعض اوقات دھوکا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مادہ سے نکلے ہوئے الفاظ کے استعمال سے یہ صنعت پیدا ہوتی ہے، جیسے قبول، قبولیت، مقبول، قابل، ناقابل۔

طباق یا مطابقہ کو صنعت تضاد بھی کہتے ہیں جس کی رو سے عبارت میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں جیسے نور و ظلمت، سیاہ و سفید، درشت و نرم، خیر و

فک اضافت، فک بمعنی رہا کرنا، الگ کرنا، کھولنا ہے، فک اضافت کی صورت میں اضافت حذف ہو جاتی ہے اور یہ کثرت استعمال کا نتیجہ ہے، مثلاً نورِجہاں سے نورجہاں، شاہِ جہاں سے شاہجہاں ہوگیا۔ غالب کا خیال ہے کہ فقرہ پدرزن حذف اضافت کے ساتھ ہے مگر فرہنگ معین میں فقرہ " پدرزن "، پدرشوہر، مادرزن، مادرشوہر کے ساتھ آیا ہے اور سب میں اضافت موجود ہے برہان قاطع میں بھی یہی صورت ہے،

منصرف سے مراد ایسے کلمے ہیں جو گردان پذیر ہوتے ہیں، یہ عربی میں زیادہ مستعمل اصطلاح ہے جن کلمات پر تنوین ہوتی ہے، وہ منصرف ہیں اور جن پر نہیں ہوتی وہ غیر منصرف ہیں جیسے موسیٰ، عیسیٰ،

اسم جامد ایسے اسم جو مصدر سے نہیں نکلتے۔ جیسے درخت، پہاڑ، وغیرہ۔ اگرچہ زبان شناسی میں ان کی اصل کا پتا چلایا جا سکتا ہے،

تفریس دوسری زبان کے لفظ میں تھوڑی سی تبدیلی کرکے فارسی لفظ بنانا جیسے جھگڑے سے جکر

تعریب دوسری زبان کے لفظ کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالنا جیسے کرن پھول سے قرنفل، ترپھلا سے اطریفل، بنفشہ سے بنفسج، کپور سے کافور، چراغ سے سراج وغیرہ۔

اب غالب کے خط میں جو بحث طلب امر ہے اس کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے، اگرچہ علائی کا وہ خط سامنے نہیں جس کے جواب میں غالب کی وہ عبارت ہے، لیکن خود فحوائے کلام سے ظاہر ہے کہ علائی نے خُسر بمعنی خُسران و زیان اور خُسر بمعنی سسر، سسرے، سے متعلق کوئی بات پوچھی تھی جس میں مزاح کا پہلو نکلتا ہوگا، اسی کی توضیح میں غالب نے وہ عبارت لکھی جو شروع میں نقل ہو چکی ہے۔

خُسر باوّل مضم، دوم و سوم ساکن، بمعنی زیان، ضرر، زیانکاری ہے۔ خُسران بھی اوّل مضموم سے ہے، اور خسر کے معنی میں آتا ہے۔ خسر مصدر اور اسم دونوں اور خسران صرف اسم ہے، اور واحد۔ یہ دونوں کلمے عربی ہیں اور عربی و فارسی دونوں میں مستعمل، اوّل کم اور دوسرا زیادہ، فارسی میں ان دونوں سے زیادہ متداول لفظ خسارہ ہے وہ بھی عربی ہے لیکن اس میں خ مفتوح ہے، یہ لفظ بھی اسم، اور اسم مصدر ہے،

لفظ خُسر کی توضیح کچھ دلچسپ مگر کچھ مشکل ہے اس لفظ کا تلفظ X O S U R ہے۔

یعنی اوّل مضموم اور دوم بھی مضموم، بخلاف خسر (عربی) کے جس میں حرف دوم ساکن ہے، اور خسر کے معنی سسر یا سسرے کے ہیں، یہ لفظ خالص فارسی کا ہے۔ گویا عربی خسر سے یہ تین اعتبار سے متفاوت ہے۔

(۱) یہ فارسی ہے اور خسر، خسران عربی۔

(۲) اس میں حرف اوّل و دوم دونوں مضموم جب کہ عربی لفظ میں حرف دوم ساکن ہے۔

(۳) یہ سسر یا سسرے کے معنی میں اور عربی لفظ نقصان و ضرر کے معنی میں آتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب اس لفظ کی اصل سے بخوبی واقف نہیں تھے اس لئے مختلف قسم کے قیاسات سے کام لیتے ہیں کہتے ہیں

کہاں خسر، خسران لغات عربی الاصل اور کہاں روزمرّہ مشہور کہ خسر سسرے کو کہتے ہیں۔ غالب کی حیرت کی بنا یہی ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ خسر لفظ فارسی ہے عربی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، صرف املا کی یکسانی اصل کی یکسانی کی بنیاد نہیں ہوا کرتی۔ خسر اور خسران کا مادہ کچھ اور ہے اور خسر (فارسی) کے مادہ کا کیا ذکر اس کی اصل قدیم زبانوں میں ملتی ہے۔

ان کی ذہنی کشمکش اس جملے سے ظاہر ہوتی ہے:

،، یہ خسر بمعنی پدر زن کیا لفظ ہے، حروف بین الفارسی والعربی مشترک ہیں لیکن ان معنوں میں نہ فارسی ہے نہ عربی،،

غالب کا کہنا ہے کہ دونوں لفظوں یعنی خسر بمعنی ضرر اور خسر بمعنی سسرے ان کے تینوں حرف خ س ر یکساں ہے "لیکن ان معنوں میں (شاید سسرے کے معنی میں) نہ فارسی ہے نہ عربی" یہ عجیب بات ہے، فارسی میں جو لفظ مستعمل ہیں ان میں تقریباً نوے فیصدی عربی اور فارسی ہیں، بقیہ دوسری زبانوں کے ہوں گے، پس اگر لفظ خسر (بمعنی سسر) فارسی ہے نہ عربی تو کسی اور زبان ترکی، منگولی، ہندی (سنسکرت) کا ہوگا، یہ قیاس صحیح نہیں ہے، بات اصل وہی ہے جو شروع میں لکھی جا چکی ہے یعنی بمعنی خسارہ نقصان، عربی ہے اور اس میں حروف اول مضموم اور دوم و سوم ساکن ہیں۔ دوسرا خسر بمعنی سسر بیوی کا باپ، شوہر کا باپ وغیرہ ہیں۔

غالب پھر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح خسر عربی میں منصرف ہے اس سے مختلف صورتیں

گردان کے پیدا ہوتی ہیں، خُسر شاید سسرے کا اسم جامد ہو یعنی سسرے لفظ خسر سے نکلا ہو، یہاں اگرچہ ایک سہو ہے، عموماً جامد سے کوئی دوسرا لفظ نہیں بنتا اور اس لئے اس کو جامد کہتے ہیں کہ نہ وہ کسی سے نکلا اور اس سے دوسرے لفظ نکلے۔ اصل میں ان کا مقصد یہ ہوگا کہ سسرے اور خُسر کی اصل بھی ایک ہو گی ۔ خُسر لغت فارسی نہیں، سسرے کی تفریس سے پیدا ہو گیا عجب ہے ۔ وہ معلوم ہوا عربی نہیں لغت ہندی ہے مفرّس" (ص ۳۰۶)

اگرچہ غالب کا یہ قیاس کہ سسرے اور خسر کی اصل شاید ایک ہو لیکن پھر اس کے ساتھ دوسرا قیاس کہ شاید خسر سسرے کی تفریس و تعریب ہو پھر ان کو شکوک کی بھول بھلیاں میں پھنسا دیتا ہے، چونکہ وہ اس لفظ کی اصل سے واقف نہیں اس لئے کبھی تفریس کہتے ہیں اور کبھی تعریب، حالانکہ نہ یہ تفریس ہے، نہ تعریب، خالص فارسی کا لفظ ہے جس کی اصل اوستا میں ملتی ہے، اور یہ اوستائی صورت سنسکرت سے مشابہ ہے بالفاظ دیگر سنسکرت لفظ سے ارتقائی منزل طے کرتا ہوا لفظ سسر حاصل ہوتا ہے۔ اور اوستائی اصل سے ارتقائی منزل طے کرنے کے بعد لفظ "خسر" وجود میں آتا ہے، اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں ۔

خُسر اوستائی لفظ X VASURA (خوسرا) سے نکلا ہے جس کی قدیم ہندی آریائی (سنسکرت) شکل SVASURA (سواسرا) ہے اور اسی سنسکرت سواسر سے سسرا، سسر حاصل ہوا ہے۔ پس واضح ہے خُسر (فارسی) اور سسر ہندی دونوں کی اصل ایک ہو جاتی ہے، قدیم ایرانی کے بعض خ سنسکرت میں س یا ش میں بدلے ہوئے ملتے ہیں۔ جیسے خسرو بمعنی بادشاہ پہلوی میں HUSRAU اور پاژند میں XOSRAN ہے، اور سنسکرت میں SUSHRAVAS ہے۔

خُسرو کے مترادفات فارسی لفظ خسور اور خسورہ ہیں۔ برہان قاطع ۲: ۴۸۰، ۴۹۰، ۵۰۰،

خُسر بضم اول وثانی پدر زن[1] و پدر شوہر باشد

---

[1] از فقرہ پدر شوہر، داماد رزن بتوان حدس زد کہ در فقرہ پدر زن نیز اضافت نیست چنانکہ غالب قیاس کردہ کہ پدر زن بدون اضافت آمدہ است۔ ۱۲

خسور بروزن قصور پدر شوہر و پدر زن را گویند۔
خسورہ بضم اول و فتح رای قرشت بمعنی خسور است کہ پدر شوہر و پدر زن باشد۔

صحاح الفرس ص ۱۰۳

خسر[1] پدر زن باشد و مادر زن[2]

فرہنگ جہانگیری ۱ : ۱۲۸۶

خسر با اول و ثانی مضموم پدر زن را گویند،
حکیم سنائی: مغز جملہ انبیا را داد بود — خسرُ میر مرتضی او بود۔
حکیم نزاری قہستانی: خُسرُ ازان پس بہ طبع شاد برخاست

بکار آرایش داماد برخاست

درحاشیۂ جہانگیری دکتر عفیفی مصحح فرہنگ نے چند مثالیں اور بھی درج کی ہیں۔
"نمی خواہم کہ بر تو دشخواری نہم و مرا از خسران نیک و ازشایستگان یابی۔" (قصص سورہ آبادی ص ۲۰۲)
سنائی: برۂ بریان ہر جا کہ بود چاکر تست

طبق حلوا داماد و تو او را خسُری (دیوان ص ۱۰۹۸)

"و از انجا بخانۂ وزیر آمد خسرش وزیر بادی بسیار نیکوئی کرد و باز گردانید،" (تاریخ بیہقی چاپ فیاض ص، ۶۵)

"پس بماند ای موسی دہ سال نزدیک خسر خویش در دیہ مدین میان باشندگان آنکہ خسران تو بود" (تفسیر کیمبرج ۱/۵۶)

خسور با اول و ثانی مضموم و واو معروف : پدر زن و پدر شوہر را گویند و آں را خُسُر نیز نامند، حکیم سنائی فرماید:

---

[1] قابل تذکر است کہ صاحب صحاح از پدر شوہر اعراض نمودہ ۔ [2] خیلی تعجب آور است کہ نزد صاحب صحاح خسر بمعنی مادر زن آید حال آنکہ در ہیچ لغت این معنی دیدہ نمی شود بعلاوہ آں در فرہنگ ہا برای مادر زن کلمہ خسو و خشو و خشتامن و خشدامن آمدہ است، در جہانگیری بجای مادر زن پدر زن آمدہ است۔

برہی گر کنی بغروی خوی　　　　از خشو و خسور و ننگ بہوی

(جہانگیری ا - ۱۲۸۹)

دکتر عفیفی نے حاشیہ میں ویس ورامین کی اس بیت کا اضافہ کیا ہے :

در و خسرم دیوگان و خسوران　　　　عروسان دختران داماد پوران

(ص ۳۸)

نامناسب نہ ہوگا اگر لفظ "ساس کے لئے فارسی میں جو متبادل الفاظ آئے ہیں ان کی طرف بھی اشارہ کردیا جائے۔ خسو، خشو، مادر زن باشد (صحاح الفرس ص ۲۹۵)

خشو بضم اول وثانی و سکون واو مادر زن و مادر شوہر باشد۔ (برہان ۲ - ۷۵۴)

ڈاکٹر محمد معین نے حاشیہ میں یہ اضافہ کیا ہے :

خشو زن مادر بود، فرخی سیستانی گوید۔

بدسگال تو و مخالف تو　　　　خشوی جنگ جوی راداماد

(لغت فرس ۴۰۸)

خشو باول وثانی مضموم مادر شوی و مادر زن را گویند، استاد فرخی نظم نمودہ۔

بدسگال تو و مخالف تو الخ

مختاری در ہجا گوید۔

بشری لک بشری کہ ہجاری تو ہمہ پاک　　　　سوی خشویت کردم تحریر و فرستاد

(فرہنگ جہانگیری ج ۲ ص ۱۳۶۹)

استاد عفیفی نے حاشیہ جہانگیری میں ایک بیت کا اضافہ کیا ہے۔

فرہنگ معین میں سسر کے تین فارسی مترادف دیے ہیں، یعنی خُسُر، خسور اور خسورہ اور تینوں کے معنی پدر زن، پدر شوہر، مادر زن، مادر شوہر، گویا ان کے نزدیک خُسر ساس کے معنی میں بھی آتا ہے، اردو میں خُسُر لفظ کافی متداول ہے، لیکن اس کے معنی صرف خسر کے ہیں، اگر لڑکے کے لئے کہیں تو پدر زن اور لڑکی کے لئے پدر شوہر مراد ہے۔ ساس کے معنی میں یعنی مادر زن یا مادر شوہر کے معنی میں نہیں آیا۔ البتہ خسو و خشو کی اصل ساس کی قدیمی صورت سسو، ساسو سے بہت مشابہ ہے، واقع ہے کہ

خسو وخشو کی اصل اوستا میں اور سسو، ساسو کی قدیم سنسکرت میں تلاش کی جانی چاہیے،

ساس کے لئے ایک دوسرا لفظ بعض فرہنگوں میں ہے خشتامن (برہان ۲ - ۵۱،) اور خشدامن (فخر قواس ص ۱۰۰) ہیں، فرہنگ سروری ص ۴۶۸ میں خشدامن کی توضیح کے لئے سوزنی کی دو بیتیں ہیں۔ ان میں سے ایک بیت یہ ہے۔

مرا مغز خرداد خوشدامنم — کہ تا ہمچو خر گردن آرام نہ

(ص ۲۰۶)

لغت فرس اسدی میں خوش اور خشو ساس کے لئے آئے ہیں۔ اور برہان قاطع میں خوش خشو، خوشہ، خوشدامن، خشتامن، خوشتامن، خوشامن، سب ساس کے معنی میں درج ہیں۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ خُسُر فارسی لفظ ہے، سُسر اور خُسُر ہم معنی اور ہم رشتہ ہیں، اول الذکر کی اصل اوستا اور ثانی الذکر کی سنسکرت قدیم ہے، عربی سے اس لفظ کا کوئی تعلق نہیں، البتہ اس کا ہم شکل لفظ خسر ہے، اس میں دوسرا حرف ساکن ہے اور اس کے معنی زیان ونقصان کے ہیں۔ اس کا خسر فارسی سوائے ایک صوری مناسبت کے لئے کوئی تعلق نہیں۔

(۲)

سید غلام حسین قدر بلگرامی کے نام غالب کے چھوٹے بڑے ۲۲ خط ہیں جو ڈاکٹر خلیق انجم کی مرتبہ کتاب "غالب کے خطوط" جلد ۴ ص ۱۴۱۵ اے ۴۳۳ اتک نقل ہیں۔ ان میں سے دوسرے خط کے تین لفظ، قَرقَف، راوق اور فراز کے بارے میں ایک مختصر سی گزارش درج کی جارہی ہے۔

"قَرقَف، اور راوق اس جملے میں آئے ہیں:

"آبِ حرام اشتیاق"۔ آبِ حرام "شراب" کو محل مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ نبیذ اور بادہ اور رحیق اور مے اور قرقف اور راوق کی طرح اسم نہیں، ناچار شراب شوق یا بادۂ شوق لکھنا چاہیے۔ اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔ (غالب کے خطوط ج ۴ ص ۱۴۱۶)

غالب نے واقعی نہایت لاجواب اصلاح کی ہے۔ آبِ حرام اشتیاق روزمرّہ کے خلاف ہے بادۂ شوق یا شراب شوق روزمرّہ لکھنا زیادہ صحیح ہے، اشتیاق پر شوق کی ترجیح بھی روزمرّہ کے قریب ہے،

غالب نے شراب کے مترادف یہ الفاظ لکھے ہیں:

نبیذ، بادہ، رحیق، مے، قرقف، راوق۔

راوق معرب ہے فارسی کے لفظ راوک کا، اور فارسی فرہنگوں میں راوق کے یہ معانی درج ہیں:

فرہنگ فارسی، محمد معین ج ۲ ۱۶۲۸ :

راوق معرب راوک ۱ - ظرفی کہ درآن شراب وشیر را صاف کنند، پالونہ

۲- کاسۂ شرابخواری

راوک - راوق

راوکی ۱ - آنچہ از راوق گذشتہ باشد

۲ - شراب صاف بی دُرد

لغت نامۂ دہخدا (ر- زاتم) تہران ۱۳۴۲ ص ۱۴۸ - ۱۴۹

راوق، راوک، راووق، پالونہ، پاتیلہ، خنور (منتہی الارب)

این کلمہ عربی است وتلفظ آن راووق باشد با دو واو، بمعنی صافی یعنی آنکہ بوسیلۂ آن مایعات را تمیز وصافی کنند۔ (شرفنامۂ منیری)

[راوق] آنست کہ زگال بید را در کیسہ کردہ وظرفی در زیر آن گذارند وشراب درآن زگال ریزند کہ از زگال گذشتہ درآن ظرف ریزد وصافی شدہ درظرف آید ورنگش درکمال سرخی وصفا شود -

(فرہنگ ادبہی)

خم کلمات او بر راوق نقد وارشاد پدر صفا یافت (ترجمۂ تاریخ یمینی)

بید بسوز وبادہ کن راوق ولعل بادہ را

چون دم مشک وعود تر عطرفزای تازہ بین (خاقانی)

عشق تو بس صادقست آہ کہ دل نیست

بادہ عجب راوق است وجام شکستہ (خاقانی)

۲ - [راوق] کاسہ کہ بدان شراب راصاف وروشن کنند (منتہی الارب) کاسۂ شراب

دولتش باقی ونعمت بفزون روانی برکف ومعشوق ببر

۲ - [راوق] شراب۔

راوق بمعنی شراب مجاز باشد باطلاق مسبب برسبب، پالودۂ شراب۔

اگر خواهی گرفتن از بر روزن روزهٔ عزلت   کلوخ انداز را از دیده راوق ریز ریحانی (خاقانی)

برق توئی و بید من سوخته توام کنون   سوخته بید خواه اگر راوق بید پروری (خاقانی)

گر همه هستند ز آن راوق منم هم مست از آن که

خون چشم راوق افشان در کشم هر صبحدم (خاقانی)

بیا ساقی آن راوق روح بخش   بکام دلم بر فشان چون درفش (نظامی)

الوداع ای کعبه کاینک مست راوق گشته خاک

زانکه چشم از اشک میگون راوق افشان آمده (خاقانی)

ساقی غم را ز اندرون چون سوخته بیدم کنون

تا چند بارم اشک خون گر راوق افشان نیستم (خاقانی)

منم آن بید سوخته که به من   دیده راوق فروش می بشود (خاقانی)

من که خواهم که ننوشم بجز از راوق خم

چکنم گر سخن پیر مغان ننیوشم (حافظ)

از خبرت ما جز غم و آسیب نزاید

از راوق خم خیز و پخته انداز (قاآنی)

راوق کردن : پالودن، صاف کردن :

مجلس بزم ساختہ ست و من چو بید سوختہ

تا من راوق کند ز مژگان می پالای من (خاقانی)

گرچہ صہبا را بہ بید سوختہ راوق کنند

بید را کاسات صہبا بر سنابد بیش ازین (خاقانی)

کردہ می راوق از اول شب و ابازش بصبوح

با گلاب طبری از بطر آمیختہ اند (خاقانی)

مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہے کہ اگرچہ راوق بمعنی شراب عام ہے لیکن اس کے دو معنی اور ہیں یعنی وہ برتن جس میں شراب کو نتھارتے ہیں، اور پیالہ جس میں شراب پیتے ہیں۔ اور فرہنگ نگاروں کے بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ رواق رواک سے معرب اور یہ معرب لفظ اصل سے زیادہ مستعمل ہے۔ راوک کی یہ تشریح فرہنگ جہانگیری ۱ : ۲۳۶ میں ملتی ہے:

راوک شراب صاف لطیف معرب آن راوق است، اثیر اخسیکتی

ہمی تا بیفزاید از زیر رانش   ہمی تا بیفزاید از دست سلک

دلت ہمرہ نزہتی باد دایم   کفت ہمدم بادۂ باد راوک

ظہیر فاریابی: بگذشت ماہ روزہ بخیر و مبارکی

پر کن قدح ز بادۂ گلرنگ راوکی

درحاشیۂ جہانگیری:

نوگشت[1] ماہ عید بہ یمن و مبارکی   ساقی بیار بادۂ گلرنگ راوکی (ابن یمین)

دوسرا تشریح طلب لفظ غالب کے خط میں قرقف ہے۔

---

[1] ابن یمین کی بیت ظہیر فاریابی سے مستفاد ہے۔

دستور الاخوان ۹۹۵ القرقف: می • برہان قاطع ج ۳ ص ۱۵۲۶ قرقف بضم ہر دو قاف و سکون ثانی نام یکی از کتابہای ترسایان است و این بمعنی بفتح ہر دو قاف ہم آمدہ است و در عربی شراب را گویند۔

غیاث اللغات: قرقف بفتح ہر دو قاف بمعنی شراب و نام سہ کتاب ترسایان در مذہب او شان

واضح ہو کہ قرقف کے معنی شراب کے ہیں جیسا کہ غالب کے خط میں ہے۔ لیکن اس بیلے کے تعلق سے بعض دلچسپ امور سامنے آئے ہیں، خاقانی کے ایک شعر میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے۔

سہ اقنوم و سہ قرقف را ببرہان   بگویم مختصر شرح موثقا

یہ بیت اس قصیدے میں جس میں مذہب کی بیشتر اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے، قصیدۂ مذکور "عظیم الروم"، قیصر کی مدح ہے، اسی کی رعایت پورے قصیدے میں ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

فلک کژ رو تر است از خط ترسا   مرا دارد مسلسل راہب آسا

شرح آذری میں ہے کہ اقنوم نصاریٰ کی اصطلاح ہے۔ نصاریٰ اللہ کی ذات کو تین اصل سے مرکب جانتے ہیں، اور یہ تینوں وجود، علم و حیات ہیں، وہ ان کو باپ، بیٹا اور روح القدس قرار دیتے ہیں، اور تین قرقف نصاریٰ کی اصطلاح میں شراب کی تین قسم ہے جیسا کہ قرآن میں شراب طہور، شراب زنجبیل اور شراب سلسبیل ہے۔

مینورسکی نے اس شعر کی شرح میں لکھا ہے: قرقف کے معنی عربی میں آب سرد، شراب، اور مرغ کوچک ہے۔ .... لیکن شعر کا یہ مفہوم مناسب نہیں۔ مینورسکی کے نزدیک، مارگولیتھ کی تشریح بہت سے۔ آخر الذکر نے لکھا ہے کہ خاقانی کے لفظ میں تحریف ہوئی، اصل یونانی کلمہ [illegible] ہے۔ رمانند فیلقوس PE..IKOPE جس کو عیسائی مصنفین "کتاب مقدس" کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ تین کتابیں جن کو خاقانی عقیدۂ تثلیث کی تائید میں شرح کرنا چاہتا تھا قدیس یوحنا کے رسالۂ اول کے ۶، ۷، ۸، بند ہیں۔

..NO SKY, [illegible] AND [illegible] COM..NUS
[illegible], VOL. [illegible] 1/5 P.574-5

---

۱ دیوان طبع سجادی ص ۲۳ ۲ دیکھئے دیوان خاقانی شروانی بکوشش ضیاء الدین سجادی تہران ۱۳۳۸، ص ۹۰۰ ۳ ایضاً

پروفیسر محمد معین اس تشریح سے مطمئن نہیں، ان کے نزدیک خاقانی کے شعر میں قرقف نہیں "فرقف" ہے، اور یہ کلمہ فرقس (معرب CO..US (لاطینی) بمعنی جسم — جسد) سے محرّف ہے، یہ فرقس غلطی سے قرقس سمجھا گیا (قس فیلیپوس کہ بصورت فیلفوس معرّب ہوا۔ فیلقوس) اور کتابت میں قرقف ہو گیا، اس قیاس کی صحت کی صورت میں سہ فرقس سے تین اقنوم یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس کے تین تجسّم یا مظاہر (وجود، علم، حیات) مراد ہیں (فرہنگ فارسی ج ۲ ص ۲۶۶۲) یہ بیان خودان کے برہان قاطع ج ۳ ص ۱۵۲۶ کے حاشیے سے لیا گیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ غلط فہمی نہ پیدا ہونا چاہیے کہ غالب سے کوئی سہو ہوا ہے، دراصل قرقف کے معنی شراب کے ہیں اور یہی غالب نے لکھا ہے، لیکن دیوان خاقانی کی ایک بیت میں یہ لفظ درج ہے جس کے معانی اور املا میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لئے یہاں اس سلسلے کی ضروری تفصیل درج کر دی گئی۔

متذکرا الصدر خط میں یہ بیان بھی ہے۔

"درِ توبہ باز است و باب رحمت فراز" معنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند۔ "فراز" اضداد میں سے نہیں ہے۔ "باز" کھلا۔ فراز بند" (ج ۴ ص ۱۳۱۷)

اگر یہ جملے درست چھپے ہیں تو اس بیان میں غالب سے سہو ہوا ہے "فراز" اضداد میں سے ہے، فرہنگوں میں اس کے جو معنی درج ہیں پہلے وہ لکھے جاتے ہیں:

صحاح الفرس ۱۲۸ (تالیف قبل ۷۳۰ ھ) فراز چند معنی دارد۔ اوّل[1] بمعنی باز باشد، گویند از دی باز دار امروز باز،

فرخی گفت: بمراد دل او بودم من دی و پریر
بمراد دل او باشم امروز فراز

لسان الشعرا (میان ۷۵۲ - ۷۸۹) فراز بلندی و نشیب بستن و گشادن، و گستردن و بالای چیزی۔

---

[1] دوم معنی فرار فتہ، سوم معنی خرزہ، چہارم موضع بلند چون کوہ و پشتہ وغیر آن... اس فرہنگ میں فراز بمعنی بستہ یا بند نہیں دیئے گئے۔

زفان گویا ص ۲۵۳ (قبل، ۸۳۰) فراز بلند و نشیب، بستن و گشادن، گستردن و بالای چیزی و نزدیک...

موید الفضلا ۲: ۵۹ (تالیف قرن دہم) فراز بالفتح گستردن و بستن و گشادن و نزدیک، و پیش، و بالا و بلندی و فراہم۔

فرہنگ جعفری (تالیف قرن ۱۱) ص ۳۲۳ فراز بمعنی پس از این و بہ معنی جمع و ضد نشیب، و نزدیک و در آمدن و رفتن، و فوق و پوشیده و بستہ و کشودہ و خون نیز آمدہ۔

فرہنگ جہانگیری ۱: ۱۰۵۴ دوازدہ معنی : اوّل کشادہ و پہن، حافظ :

حضور مجلس انس است دوستان جمعند — و اِن یکاد بخوانید و در فراز کنید

کمال اسماعیل: چو سطح ارچہ کہ افگندہ ایم دبی سپریم — بہ پستی تو چو مسند شویم و سینہ فراز

دوم بمعنی بستہ، حافظ :

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت — عشقش بروی دل درِ معنی فراز کرد

کمال اسماعیل: جہان پناہا از امن دولتت امروز — دہان عافیہ باز است و چشم فتنہ فراز

سوم بمعنی قریب و نزدیک بود ....

برہان قاطع ۳: ۱۴۳۶ فراز پہن شدہ و پخش گردیدہ ۲۔ بستہ و کشادہ و باز کردہ و باز کردن و کشودن و پوشیدن۔ و این معنی از اضداد است.....

غیاث فراز بمعنی کشادہ شدہ و بستہ شدہ، و بمعنی بالا و نشیب و بمعنی پہن و کشادہ...

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ فراز کھلا ہوا اور بند دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اوپر جو مثالیں درج ہیں ان میں فرخی کی بیت جو صحاح میں درج ہے اور کمال اسماعیل کی جو بیت جہانگیری[1] میں نقل ہے وہ فراز بمعنی کشادہ کی شاہد ہیں۔ لیکن فراز بمعنی بستہ کی متعدد مثالیں ہیں۔ علاوہ اوپر درج کی ہوئی ابیات کے مختلف شاعروں کے یہاں فراز بمعنی بستہ جیسا کہ غالب نے لکھا ہے مل جاتی ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

منوچہری: کف راد تو باز است و فراز است این ہمہ کفہا
در بارت کشادہ است و ببستہ ست اینہمہ درہا (دیوان ص ۳)

---

[1] حاشیہ جہانگیری ۱: ۱۰۵۴، حافظ کے شعر میں "بستہ" کے معنی میں فراز آیا ہے۔

نفر... از کوہ زینت نہ فرو دست و نہ بر

دولت از گوشۂ تاجت نہ فرا است نہ باز (ص ۴۱)

فرخی: مہر وکینش مثل دو در با بند
در دولت کند باز و فراز (دیوان ص ۲۰۳)

انوری: صاحب و صدر زمین ناصر دین آنکہ قضا

کرد بر درگہ عالیش در فتنہ فراز (دیوان ص ۲۵۶)

در فلک را بود زرای تو مہر

در شب تا ابد کند فراز (دیوان ج ۲ ص ۸۶۰)

رہ بیرون شد از عشقت ندانم

در ہر دو جہان گوئی فراز است (دیوان ج ۲ ص ۰۰)

سعدی: آن نہ صاحب نظر بود کہ کند
از چنین روی در بروی فراز (کلیات ۳۲۳)

خلاصۂ بیان یہ ہے کہ فراز اجتماع ضدین کی مثال ہے غالب نے سہواً اس لفظ کے معنی
صرف بستہ لئے ہیں۔ کشادہ نہیں۔

(۴)

"غالب نے مرزا تفتہ کے نام ایک مختصر خط ہے جو ذیل میں درج ہے[1] " صاحب! واقعی سداب، کا ذکر کتب طبی میں بھی اور عرفی کے یہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا اس واسطے کاٹ دیا۔ قراب کون سا لفظ غریب ہے جس کو اس طرح پوچھتے ہو۔ خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے، قراب اور سداب، دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔ "

اس خط میں سداب، اور قراب، دو لفظوں کی بحثیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ہرگوپال تفتہ نے کسی نظم میں یہ دونوں لفظ باندھے تھے۔ ان کے متعلق غالب سے استفسار کیا تھا۔ اسی استفسار کے جواب میں غالب نے یہ سطریں قلم بند کی تھیں۔

غالب نے بالکل صحیح لکھا کہ لفظ سداب طبی کتابوں میں پایا جاتا ہے، اور ادبی و شعری مجموعوں میں بھی، دراصل سداب ایک پودا ہے جو دواؤں میں استعمال ہوا ہے، طبی تصانیف میں قدیم زمانے سے آج تک اس کا برابر ذکر ملتا ہے، فارسی کی قدیم ترین منظوم طبی کتاب

---

[1] غالب کے خطوط ج ۱ ص ۲۵۸

دانشنامہ درعلم پزشکی تالیف ۳۶۷ھ میں سداب کا ذکر ۱۶ نسخوں میں آیا، ان میں سے دو جگہ سداب تر اور پانچ جگہ سداب خشک کی تخصیص کے ساتھ اور نو جگہ بغیر کسی تخصیص کے ساتھ آیا، دو ایک مثال ملاحظہ ہو:

سداب و پودنہ، راسن و سعتر　　دلختی نانخواہ خشی ہست درخور (ص ۱۲۲)

معجون شہریاران میں سداب شامل ہوتا تھا۔

کمون و زنجبیل و خوہ لنجان　　سداب و بورہ پس ترفہ بکیسان (ص ۱۳۶)

منی کم کرنے میں سداب کا استعمال:

سداب و نانخواہ و بوی شمشاد　　بکاہد آب مرد و کم کنندباد (ص ۱۵۱)

سداب کے استعمال سے بچہ رحم مادر میں نہیں بنتا:

زقطران گر سداب شحم حنظل　　بگوشافہ کن و برگیر زاول (ص ۱۵۳)

چوتھی صدی ہجری کے اواخر کی ایک فارسی طبی تصنیف ھدایۃ المتعلمین فی الطب ہے۔ اس میں ۱۸ نسخوں میں سداب شامل ہے ایک نسخے میں سداب تر اور تین نسخوں میں سداب خشک کا استعمال ہوا ہے۔ اکثر مقامات پر سداب (دال سے) اور کم از کم ایک جگہ "سذاب" (با ذال معجمہ) آیا: واگر از مرو و بیزرد د جاد شیر چند مثقالی بخورد بادہ درم سنگ سذاب نیک آید (ص ۵۴۹)

البیرونی کی کتاب الصیدنہ (عربی) میں سذاب (ذال سے) کی تشریح اس طرح ملتی ہے:

سذاب: (دیسقوریدس) ھو فیغاتن، والبری فیغاتن اغریون، وبالہندیۃ "سدابو" یختار من البستانی ما کان منبتہ عند شجر التین ولا یصلح البری منہ الطعام أصلاً (الرازی) البری بزرہ أشد سواداً من بزر الحرمل واصغر منہ، وھو بالہندیۃ، ساوہ ای أخضر دائماً وقال احدہم یہجو صریع الغوانی (من الوافر)

فما ریح السذاب أشد بغضاً　إلی الحیات منک إلی الغوانی (ابن درید) لم أعرف لہ فی العربیۃ اسماً إلا الخفت وھو بلسان فارس بغن وقد عرب فقیل فیجن، (دیسقوریدس) أصل قباد وقیا یسمون بریہ دمولی، أغصانہ من اصل واحد وورقہ أطول من ورق البستانی واعرض، قلیل الرائحۃ ابیض الزھر

ل طبع کراچی ۱۹۷۳ء۔

ولہ رؤوس مثلثۃ، فیہابزر لونہ الی الحمرۃ ماھوذو ثلاث زوایا، شدید المرارۃ ومن الناس من یسمیہ
حرمل، (ابن ماسویہ) فی ادویۃ الفواق بدلہ السیسنبر وفی الریح فی المعدۃ والجوارشنات الغوذنج و
ہوالحبق فان لم یوجد فالنعنع (ص ۲۱۸)

[سذاب: DIOSCO. IDES کے بقول یہ فیغاتن ہے اور جنگلی افیغاتن
اغریون، کہلاتا ہے، سندی زبان میں سداب ہے، بوستانی (سذاب) جوانجیر کے درخت
کے پہلو میں اگتا ہے، عمدہ ہوتا ہے، اور جنگلی اصلاً چکھنے کے قابل نہیں ہوتا، رازی کے بقول جنگلی
(سذاب) کے بیج بوئے ہوئے سے زیادہ کالے اور چھوٹے ہوتے ہیں، ہندی میں اس کو
ساوہ، کہتے ہیں جو ہمیشہ ہری رہتی ہے، ایک شاعر صریع الغوانی اس کا اس طرح ہجو کرتا ہے؛

وسانپ بھی سذاب کی بو سے اسقدر نفرت نہیں کرتے جتنا عورتیں تم سے،

ابن درید کہتا ہے کہ میں عربی میں سوائے الخفت کے کوئی دوسرا نام نہیں جانتا، یہی بلسان
ہے جو قایربیغن ہے، اور فیجن اس سے معرب ہے۔
دیسقوریدس کے بقول کپاڈوشیا کے رہنے والے جنگلی قسم کو، مولی، کہتے ہیں اسکی شاخیں ایک جڑ سے
نکلتی ہیں، اس میں بہت خفیف بو ہوتی ہے اسکی پتیاں بوستانی (سذاب) سے لبی اور چوڑی ہوتی ہیں۔ اس
میں بہت خفیف بو ہوتی ہے۔ اس کے شگوفے سفید ہوتے ہیں۔ شگوفہ کے اوپری سطح پر بیج پیدا ہوتے
ہیں۔ جو کسی قدر سرخ تکونے اور تلخ ہوتے ہیں، بعض لوگ اسے حرمل کہتے ہیں "

ابوبکر کاسانی نے کتاب الصیدنہ کے فارسی ترجمے میں بعض اور مفید باتیں درج کی،
چونکہ یہ کتاب عام طور پر دستیاب نہیں اس لئے اس کی عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

سداب: دیسقوریدس کہتا ہے کہ سداب کو رومی زبان میں فیغایس اور دشتی کو
اغریون کہتے ہیں۔ اور اہل قبا ذوقیا سداب دشتی کو مولی کہتے ہیں۔ اور مولی کی شاخیں اس کی
جڑ کی ایک جگہ پر ہوتی ہیں۔ اور اس کی پتی بستانی سداب سے طول و عرض میں زیادہ ہوتی ہیں اور اس
کی بو قابل برداشت نہیں، اس کا شگوفہ سفید ہوتا ہے اور شگوفہ کا سر تکونا ہوتا ہے اور اس کا بیج شگوفہ
کے تکون میں ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے تین ضلعے ہوتے ہیں۔ اس کے بیج کا رنگ سرخی مایل ہوتا
ہے اور اس کا مزہ بڑا تلخ ہوتا ہے اور بعض لوگ اس کو حرمل کہتے ہیں، اور سداب کو عربی میں خُفت بھی

کہتے ہیں (بضم خاد سکون فا)، اور بقول ثعلب اہل فاین اس کو بیغن کہتے ہیں۔ اور فیجن عربی میں بیغن سے معرب ہے اور ہندی میں اس کو سادلی کہتے ہیں یعنی ایسا پودا جس کا رنگ ہمیشہ ہرا رہتا ہے، سندی) میں سدابو ہے، اور سداب بستانی سے نفع میں وہ بہتر ہے جو انجیر کے درخت کے پاس اگتا ہے، سداب دشتی کھایا نہیں جاسکتا۔ رازی کے بقول تخم سداب تخم حرمل سے زیادہ سیاہ اور قدرے چھوٹا ہوتا ہے۔ بقول ارجانی سداب تیسرے درجے میں گرم خشک ہے، گاڑھے چکنے والے مادہ کو ختم کرتا ہے، اور غلیظ مادے کو تحلیل کرتا ہے، رگوں کو نامناسب خلط سے پاک کرتا ہے، مثانہ سے پیشاب کا اخراج کرتا ہے، نفخ دور کرتا ہے، قوت باہ کو کم کرتا ہے، لہسن اور پیاز کی بو دور کرتا ہے، ہر قسم کے زہر دفع کرنے میں مفید ہے، اور بال گرنے سے جو جگہ صاف ہوتی ہے اس میں بال اگاتا ہے، فالج میں فایدہ مند ہے اور اعضا کے استرخا میں فایدہ دیتا ہے، اور معدے کو قوی کرتا ہے،، (نسخہ موزہ برطانیہ ورق ۹۳ ب)

اس طرح تقریباً تمام طبی کتابوں میں سداب کا ذکر موجود ہے، چنانچہ یونانی اطبا کے اکثر نسخوں[1] میں اس دوا کا استعمال ہوا ہے۔ اور آج بھی اطبا اس سے کام لیتے ہیں۔

غالب کے بقول عرفی نے سداب کا ذکر کیا ہے، اس کا ایک شعر یہ ہے۔

سی سالہ زنفس معصیت زاد

اکنوں دہدش سداب توبہ

(دیوان طبع تہران ص ۱۴۴)

شاید ہی کوئی قدیم فارسی شاعر ہو جس کے یہاں سداب کا استعمال نہ ہو: ذیل میں کچھ شاعروں کے کلام سے چند شعر نقل کرتا ہوں:

انوری (وفات ۵۸۰ - ۵۸۳)

---

[1] تمام طبی تصانیف سداب یا سذاب کا ذکر پایا جاتا ہے، میں نے صرف ایک ہی کتاب کے اقتباسات دیے ہیں، لغت نامہ دہخدا میں تحفۂ حکیم مومن کا ایک طویل اقتباس درج ہے (سنان - ستانہ ص ۲۷۱ - ۲۷۲) نیز رک اختیار بدیعی، مخزن الادویہ، ان کا الفاظ الادویہ وغیرہ۔

ما چو برگ بید و قوی از بزرگان در سکوت

دایم اندر عشرتی از خرد برگی چو سداب
(جناب مدرس رضوی ص ۲۶)

تا ببرد ماه کز غاکی زردی طبع

زردی ز زعفران نشود سبزی از سداب

خاقانی: (وفات ۵۹۵) (ص ۳۱)

بقای شاه جهان باد تا دهد سایه

زمین بشکل صنوبر فلک بلون سداب (ص ۴۱)

از آب لطفشان که گشاید فقع که هست

افسرده تر ز برف دل چون سداب شان

نظامی: بفرموده کارند لختی سداب

بر آن اژدها زد چون بر آتش آب

سداب و سپند رقیبان شاه

دعای نظامی است در صبحگاه

اثیر اخسیکتی: (۵۷۰ یا ۵۷۹)

تیغ سداب رنگ تو آمد سداب طبع

کز وی رحم فشرده شد ایام فتنه زای

سراجی خراسانی:

نامهٔ عمر حسودت چو فقع بر یخ نبشت

چرخ چون دید بکف آن تیغ چون برگ سداب

رودکی: (وفات ۳۲۹)

اگر سداب بکارند واز تو یاد کند سداب مردمی در تن فزون شود ز سداب

سدابی کنایہ از سبزہ رنگ:

مجیر بیلقانی: (۵۸۶)

نام تُہ چرخ سدابی چون فقع بریخ نویس

گر بہ بخشش نام دست نیل و جیحون کردہ اند

خاقانی:

چرخ سدابی از لبش دوش فقع گشاد و گفت

اینت نسیم مشک پاش اینت فقاع شکری

غالب نے زیر بحث خط میں قراب کی عمومیت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایسا عام لفظ ہے جس کے بارے میں استفسار بے موقع ہے، شعرائے فارسی منجملہ خاقانی کے یہاں ہزار جگہ (یعنی بار بار) استعمال ہوا ہے۔

ذیل میں غالب کے بیان کی توضیح و توثیق کے لئے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

خاقانی:

ای آفتاب حربۂ زرّین مکش کہ باز

شمشیر خنجری ز قضا در قراب شد

بہ چتر شام ز انفاس بحر کردہ سواد

بہ تیغ صبح ز کیمخت کوہ کردہ قراب

سراجی:

بحل باطل پیشہ را گردن زنی اندر زمان

گر برارد خنجر خود از قراب مردمی (دیوان ص ۲۹۴)

شمشیر ترا نیافت گردون

بہتر ز سر عدو قرابی

اثیر اخسیکتی :

صیقل رایش چو برد دست بہ روشنگری

دست قضا برکشید خنجر تلک از قراب (دیوان ص ۲۵)

قبضۂ ہر کفی ولی بہ قضا

سپر ہر عصا ولی بہ قراب

عربی و فارسی لغات میں "سداب" کے معانی، تلفظ، املا و قرأت کے سلسلے میں جو امور درج ہیں انھیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

عربی لغات :

صراح باب البار ص ۳۵

سَذَاب تره ایست

اَلمنجد بیروت ص ۳۲۸

سَذَبَ اَلسَّذَاب نبات من فصیلة السذابیات قوی الرائحة ازہارہ صغیرة فلاتری یزرع فی اوربا و آسیا لہ بعض الفوائد الطبیة لکن استعمالہ خطر للغایة

(اس میں سداب نہیں ہے)

القاموس العصری ص ۳۹۵

سَذَاب : سدب (نبات) RUE HERB OF GRACE

سَذَبٌ : سَذَاب RUE HERB OF GRACE

اس میں سذاب کے علاوہ سدب اس معنی میں ہے لیکن سداب نہیں ہے۔

منجد عربی، اردو ص ۴۶۶

اَلسَّذَاب : ایک بدبودار پودا

(اس میں سدب، سداب نہیں)

المعجم الوسیط دلی ص ۴۲۵

السَّذاب جنس نباتات طبية من الفصيلة السَّذابية ۔ (اس میں سداب نہیں)

الفرائد الدریہ ص ۲۱۵

سذاب RUE, (medical plant)

المورد تالیف منیر البعلبکی بیروت ۱۹۶۷ ، ص ۸۰۰

السَّذاب الفیجن نبتة طبیة RUE ذات اوراق مرة

مصباح اللغات ، عبد الحفیظ بلیاوی ص ۳۴۶

السَّذاب ایک بدبودار پودا جس کے پتے صعتر[1] کی طرح ہوتے ہیں ۔

اختری کبیر : فصل السین والذال

السذاب چرکین رائحہ الخ

عربی کے ان سارے لغات میں سذاب ہے ، سداب نہیں ہے ۔ صرف ایک لغت میں سدب ہے

فارسی لغات : میں

بحرالفضائل : سداب آن سبزہ کہ دایگان عورات حاملہ را برای اسقاط حمل دہند ۔

شرفنامہ : سداب گیاہی است مثل پودنہ کہ دایگان برای اسقاط حمل عورات بکار برند ست و نیز آں را آتش می کنند ، درنا نخورش می اندازند ۔

موید الفضلا ج ۱ ص ۱، ۴ فصل عربی

سداب معروف کذا فی التاج و در شرفنامہ است بالفتح گیاہی است مثل پودنہ کہ دایگان الخ

مدار الافاضل ج ۲ ص ۵۴۴

سداب (ع) در شرفنامہ است بفتح گیاہی است مثل پودنہ ..... درنا نخورش می اندازند و بفتح وذال معجمہ گیاہی است کہ برگہای خرد دارد ۔

فرہنگ جہانگیری ۱ : ۷۹۹

سداب باوّل مضموم دو معنی دارد ، اول گیاہی باشد دوائی کہ مشہور و معروف است و آن

---

[1] مصباح اللغات ص ۵۴۴ الصعتر پہاڑی پودینہ

رابعربی ۔ نیز سداب خوانند و در خوردن آن دفع قوت باہ کند، دوم بمعنی قوت و قدرت آمدہ، واستاد رودکی این دو معنی بنظم آوردہ :

اگر سداب بکار ندو از تو یاد کند

سداب مردمی در تن فرزون شود ز سداب

اس کے حاشیے میں تحفۂ حکیم مومن کا حوالہ انوری، نظامی، کی ایک ایک بیت اور ایک بیت فرخنامہ سے درج ہے۔ انوری اور نظامی کی ابیات قبلاً درج ہو چکی ہیں۔

غیاث اللغات ص ۲۵۳

سُداب بضم اول و در آخر بار موحدہ، گیاہی باشد مثل پودنہ، برہان و موید و جہانگیری، و در مدار و کشف و بحر الجواہر بفتح اوّل و گویند برای اسقاط حمل بکار آید و برای خواندن سحر و افسوں بکار برند۔

برہان قاطع ج ۲ ص ۱۱۰۸

سداب : بضم اول بروزن گلاب گیاہی باشد دوائی مانند پودنہ، خوردن آن دفع قوت باہ و مباشرت مردمان و اسقاط حمل زنان کند و بمعنی قوت و قدرت و توانائی ہم آمدہ است و آن را بعربی فیجن بروزن الکن خوانند۔

محمد معین نے اس پر یہ حواشی لکھے ہیں: سداب rue (فر) لک ۲ ص ۹ ۳ ۲

سداب ہا دستہ ای از تیرہ سدابیان rubracees ہستند و مہترین نوع آن سداب کوہی است دارای برگہای باریک و بسیار متعفن کہ برای گریزاندن حشرات بکار رود۔

(گل و گلاب ۲۱۴)

فرہنگ معین ۲ : ۱۸۴۵

سداب Sodab سذاب معرب

سذاب (معرب) گیاہ سداب

لغت نامۂ دہخدا میں سداب اور سذاب دونوں مذکور ہیں۔ اور دونوں کو ہم معنی قرار دیا ہے
سداب کے ذیل میں متعدد شاعروں کے اشعار اور طبیبوں کے بیانات درج ہیں (دہخدا ستانہ
سراج ص ۲۷۱ - ۲۷۲) اور ص ۲۸۲ پر سذاب کی یوں توضیح ملتی ہے :

سذاب تیرہ ایست بسیار سبز وگلش زرد وعصارۂ آن مدر بول "(آنندراج و منتہی الارب)

ازچہ شد ریسمان کہن ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ آن سرسبز و تازہ ہمچو سذاب
پر شود معدہ ترا چون نبود میدہ ز کشک ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ خوش کند مغز ترا گر نبرد مشک سذاب[1]

سداب کے تعلق سے جو تفصیلات درج ہوئی ہیں، ان سے حسب ذیل چار مسئلے پیدا ہوتے ہیں،

۱ - سداب عربی یا فارسی -
۲ - اس کا صحیح املا سداب ہے یا سذاب -
۳ - اس کا تلفظ کیا ہے -
۴ - اس کے کیا معانی ہیں -

ڈاکٹر معین نے "سداب" کو فارسی اور سذاب کو معرب بتایا ہے، لیکن اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ سداب میں دال مہملہ کے بجائے ذال فارسی ہونا چاہئے اس لئے کہ دال وذال کے درمیان جو تفاوت کا قاعدہ ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ سداب کے بجائے سذاب ہو، "دال" کے ماقبل زبر ہے، اور قاعدہ یہی ہے کہ اگر دال، کے پہلے حروف علت میں سے کوئی ہو یا لفظ ماقبل متحرک تو قدیم میں ذال معجم تھا اور جدید دور میں دال مہملہ ہوگا۔ سداب میں س متحرک ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس کے بعد دال، ذال معجم ہوگا۔ اس اصول کا تقاضا ہے کہ فارسی میں سداب کے بجائے سذاب ہی رہا ہوگا۔ ایسی صورت میں "سذاب" کے معرب ہونے کا سوال نہیں بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ عربی میں فارسی کا یہ کلمہ اس وقت شامل ہوا جب آخرالذکر زبان میں یہ ذال ہی سے لکھا جاتا تھا اور اسی کا تلفظ ہوتا۔ موید الفضلا میں عربی کے ذیل میں سذاب[2] ملتا ہے جو صحیح نہیں۔ عربی کے اکثر لغات میں

[1] اس سے ظاہر ہے کہ سذاب بدبو کے لئے مخصوص تھا جیسے مشک خوشبو کے لئے۔ [2] موید میں سداب کو صرف عربی بتایا ہے، فارسی نہیں، اس کے برخلاف جہانگیری میں سداب کو فارسی و عربی دونوں قرار دیا ہے۔

سداب کے بجائے سذاب ہی درج ہے اور جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ عربی سذاب فارسی سذاب سے منقول ہے۔ جب قدیم زمانے میں مدتوں فارسی میں سذاب تھا تو سداب کو عربی قرار دینا صحیح نہ ہوگا فارسی میں سذاب ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض فرہنگوں اور شاعروں کے یہاں سداب اور سذاب دونوں پائے جاتے ہیں (لغت نامۂ دہخدا)

دوسری شق کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اگرچہ فارسی میں قدیم زمانے میں یہ ذال سے لکھا جاتا تھا یعنی سذاب، سداب اس وقت لکھا گیا جب ذال فارسی کا رواج فارسی میں متروک ہوا۔ یعنی نویں صدی ہجری کے بعد، اس لئے اس وقت فارسی میں صحیح املا سداب ہے، اور عربی میں قدیم فارسی شکل سذاب ہی ہوگی۔

لفظ سداب کے تلفظ کے سلسلے میں دو روایت ہے، اکثر فارسی لغت نویس سداب کو سین مضموم سے لکھتے ہیں، لیکن کچھ ایسے ہیں جو سداب کی سین کو مفتوح قرار دیتے ہیں جیسے صاحبان مدارالافاضل وکشف اللغات وبحرالجواہر اور عربی کے لغات نگار سذاب میں سین مفتوح لکھتے ہیں اس بنا پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید قدیم زمانے میں فارسی سذاب کا اول حرف مفتوح ہو اور یہی صورت عربی میں داخل ہوگئی۔ لیکن جدید دور میں فارسی سداب میں سین مضموم زیادہ مروج ہے اور اس بنا پر اسی تلفظ کو ترجیح ہوگی۔

سداب کے معانی کے سلسلے میں چند باتیں عرض کرنے کی ہیں: لغت نویسوں کے اقوال کے اعتبار سے سداب کے حسب ذیل تین معانی ملتے ہیں:

۱۔ نبات جو دوا میں کام آتی ہے۔ دفع قوت باہ اور اسقاط حمل کا موجب ہے
۲۔ آش بناتے ہیں بطور نانخورش استعمال کرتے ہیں۔
۳۔ بڑی بدبودار چیز ہے، ایسی بدبو کہ جانور اس سے بھاگتے ہیں یا بھگائے جاتے ہیں۔
۴۔ اس کے معنی قوت و توانائی ہے۔

دوسرے معنی کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ طبی کتابوں میں اس کی سخت بدبو کا ذکر

---

[1] اس سلسلے میں دیکھئے نقد قاطع برہان ص ۲۹،

ہے۔ ایسی بدبودار چیز سے آتش اور ناخورش تیار کرنا قرین قیاس نہیں ۔

غالب نے قراب اور سداب کے عربی الاصل ہونے پر مہر ثبت کی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قراب (باوّل مکسور) عربی ہے جس کے معنی غلاف شمشیر کے ہیں البتہ سداب کا معاملہ سیدھا سادھا نہیں اور جیسا کہ اوپر درج ہوا ہے اس کو بغیر کسی شرط کے عربی قرار دینا درست نہ ہوگا۔ سداب کے بجائے عربی میں سذاب ہے جیسا کہ اکثر فرہنگوں میں ہے اور بعض فارسی لغات میں بھی سداب اور سذاب دونوں ہیں ۔

غالب کے خطوط میں ادب، تاریخ، زبان، شعر، علوم وغیرہ کے تعلق سے جتنے مسائل آ گئے ہیں اتنے مسائل مشکل سے کسی اور دانشور اور ادیب کے مکاتبات میں ملیں گے، دور حاضر کے دانشوروں میں مولانا ابوالکلام آزاد اور قاضی عبدالودود اس سے مستثنیٰ ہوں تو ہوں۔ اس سے واضح ہے کہ غالب کے خطوط سے استفادہ بڑے مطالعے کا مطالبہ رکھتا ہے لیکن اس سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان خطوط کے انتقادی متن کی تیاری بھی بڑی مشکل ہے اور شاید ہی کوئی نقاد یا محقق خطوط غالب کی تصحیح و توضیح میں پوری طرح کامیاب ہوا ہو۔

میرے مختصر سے مقالے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ غالب کے مختصر سے چند سطری خط سے بخوبی استفادہ کتنے دقیق مطالعے کا متقاضی ہے۔ بہر حال یہ کام کرنے کا ہے۔ امید ہے کہ اہل نظر اس طرف بھی اپنی توجہ مبذول کریں گے ۔

غالب کے شعر میں ایک دلچسپ تلمیح

آم کی تعریف میں غالب کی ایک چھوٹی مثنوی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے:

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

اس مثنوی کے دو شعر یہ ہیں:

تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد پر کہاں بُو باس

آم کو دیکھتا اگر اِک بار
پھینک دیتا طلائے زر افشار

(دیوانِ غالب انسٹی ٹیوٹ ۱۹۶ - ۱۹۸)

ان دونوں ابیات میں خسرو پرویز کے ترنج زر افشار کی تلمیح نظم ہوئی ہے۔ یہ تلمیح اُردو اور فارسی شاعروں کے یہاں استعمال ہوئی لیکن کثرت سے نہیں، پہلی بیت میں "ترنج زر" کی تلمیح ہے اس میں خسرو پرویز کے ترنج کی طرف اشارہ ہے جو زرِ دست افشار یا طلائے

دست افشار سے بنا تھا، اس لیے ترنجِ زر اور طلائے دست افشار دونوں سے صرف ایک تلمیح مراد ہے، دو نہیں؛

ترنج ایک پھل ہے جو گہرے زرد رنگ کا ہوتا ہے، ترنجِ زر بھی رنگ کے اعتبار سے گہرا پیلا ہوگا، آم جب پک جاتا ہے تو اکثر گہرا زرد ہوتا ہے، اس لحاظ سے غالبؔ نے آم کو ترنجِ زر سے مقابلہ کیا ہے اور چوں کہ ترنجِ زر خوشبو سے عاری ہوتا ہے اس لیے غالب نے آم کو اس سے بڑھ کر قرار دیا ہے۔

خسرو پرویز ایران کے ساسانی خاندان (۲۲۶ء تا ۶۵۲ء) کا جلیل القدر فرمانروا گذرا ہے، جس نے ۵۹۰ء تا ۶۲۸ء حکومت کی ہے، وہ ہرمز چہارم کا بیٹا اور نوشیرواں کا پوتا تھا۔ باپ کے قتل کے بعد ۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا، کچھ دنوں بعد بہرام چوبیں نے اس کو نکال دیا تو وہ قیصر روم سے مدد کا طالب ہوا، چنانچہ قیصر کی مدد سے بہرام کو شکست دی، ۶۱۲ء میں روم پر حملہ کیا، اور ۶۱۵ء تک اس کی طاقت بامِ عروج تک پہنچ چکی تھی۔ ۶۲۳ء میں ہرقل قیصر نے ایشیائے کوچک کو فتح کر ڈالا، ۶۲۸ء میں دستجرد کے شاہی قصر پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا، اور پھر مدائن پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا، اس خبر سے خسرو کو بڑی دہشت ہوئی اور وہ دارالحکومت چھوڑ کر بھاگ گیا، مگر جلد ہی پکڑ لیا گیا اور قتل کر دیا گیا، خسرو پرویز کے جاہ و جلال، اس کے خزائن اور اس کی عشقیہ داستان کی شہرت عام ہو چکی تھی، شیریں اس کی معشوقہ تھی، خسرو شیریں اور شیریں فرہاد کی داستان مشرق ادب کا دلچسپ موضوع ہے، خسرو پرویز کی شہنشاہیت اس کی بے پناہ دولت، اس کی عیش و عشرت کی زندگی وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن سے اُردو اور فارسی ادب کا دامن مالا مال ہے، اس سلسلے کی چند مثالیں درج کی جا رہی ہیں:

سنجیدنی ہے ایک طرف رنجِ کوہکن
خوابِ گرانِ خسرو پرویز اک طرف

(کلیاتِ غالب ص ۴۹)

تکلیف برطرف فرہاد اور اتنی سبکدستی
خیال آساں تھا لیکن خواب خسرو نے گرانی کی

(کلیات غالب ص ۷۷)

ہو سکے کیا خاک دست و بازوے فرہاد سے
بیستوں خوابِ گرانِ خسروِ پرویز ہے

(ایضاً ص ۸۵)

عشق و مزدوریٔ عشرت کدہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامیٔ فرہاد نہیں

(ص ۱۸۶)

اقبال نے خسرو پرویز کے بجائے پرویز کا استعمال نئے انداز سے کیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں :

اس مرد خود آگاہ خدا دوست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

(کلیات ص ۲۵۰)

فرہاد کی خاراشکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکیتِ پرویز

(کلیات ص ۲۹۴)

فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

(کلیات ص ۳۱۶)

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

(ص ۳۲۰)

گو فقر بھی رکھتا ہے انداز ملوکانہ
نا پختہ ہے پرویزی بے سلطنت پرویز

(ص ۴۲۰)

تیشے کی کوئی گردش تقدیر تو دیکھے
سیراب ہے پرویز جگر تشنہ ہے فرہاد

(ص ۴۵۱)

تھا یہ اللہ کا فرماں کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات

(ص ۴۶۳)

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

(۴۴۶)

اقبال نے اپنی فارسی شاعری میں بھی پرویز اور خسرو پرویز کو بطور علامت کے استعمال کیا ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں:

اگر چہ تیشۂ من کوہ را ز پا آورد
ہنوز گردش گردوں بکام پرویز است

(اشعار فارسی اقبال ص ۱۹)

(اگرچہ میرے تیشے نے پہاڑ کھود ڈالا ہے، لیکن زمانہ کی گردش پرویز کے مقصد کے مطابق ہو رہی ہے)۔

ندارد عشق سامانی و لیکن تیشۂ دارد
خراشد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است

(ص ۲۱)

(عشق بے سروسامان ہے، صرف اس کے پاس ایک تیشہ ہے جس سے پہاڑ کا سینہ

تراشتا رہتا ہے، لیکن اس پر خسرو کے قتل کا الزام نہیں لگایا جا سکتا)

ہر زمانہ بہ اسلوب تازہ می گویند
حکایت غم فرہاد و عشرت پرویز

(ص ۴۶)

(ہر زمانے میں غم فرہاد کی داستان اور عشرت پرویز کی حکایت نئے انداز میں پیش کی جاتی رہے گی)

فریاد ز افرنگ و دلآویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ

(ص ۴۹)

(اہل فرنگ نے سیدھے سادے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کیسے کیسے دلکش بہانے تراشے ہیں)

فقر بخشی یا شکوہ خسرو پرویز بخش
یا عطا فرما خرد یا فطرت روح الامین

(ص ۶۶)

(فقر عطا کر یا خسرو پرویز کی شان وشوکت، یا عقل بخش دے یا روح الامین کی فطرت)

در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست
آن تیشۂ فرہادی این حیلۂ پرویزی

(ص ۷۲)

(عشق اور بوالہوسی میں اتنا فرق ہے، کہ تیشۂ فرہاد عشق کی علامت اور پرویز کی حیلہ پردازی ہوسناکی کا سمبل ہے)

کوہکن تیشہ بدست آمد پرویزی خواست
عشرت خواجگی و محنت لالائی رفت

(ص ۹۹)

(کوہکن اپنی تیشہ تراشی کا بدلہ حکومت اور امیری چاہتا ہے، اب نہ عشرت خواجگی باقی

ہے اور نہ غلامی کی محنت)

⁂

مرزا غالب نے اپنے دو شعروں میں جو ابتدا میں نقل ہو چکے ہیں۔ خسرو پرویز کے تعلق سے ترنج زر اور طلائے دست افشار تلمیح استعمال کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دراصل یہ ایک ہی تلمیح ہے، پورا فقرہ یوں ہے۔ "ترنج زر دست افشار پرویز" طلائے دست افشار یا مشت افشار نرم سونے کا ڈلا تھا جو خسرو پرویز کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اور وہ اسے دباتا رہتا اور مختلف شکلیں بناتا رہتا تھا۔

بلاشبہ یہ تلمیح فارسی ادب اور ایرانی تاریخ میں شہرت اور اہمیت کی حامل ہے، اسی وجہ سے فارسی فرہنگوں، شاعروں کے دیوانوں اور تاریخوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، اس سے اس تلمیح کی حقیقت واضح ہوتی ہے،

کہتے ہیں خسرو پرویز کے خزانے میں ایک بیش قیمت سونے کا ڈلا تھا جو نرم سونے کا تھا، اتنا نرم کہ اس کو دبا کر جو شکل چاہتے بنا لیتے، بادشاہ کے ہاتھوں میں وہ رہتا اور وہ اس سے کھیلتا رہتا تھا۔ ترنج زر اسی سے بنا تھا۔ ترنج مشہور ایرانی پھل ہے جو نارنج کے خاندان کا ہے اور اس سے کچھ بڑا ہوتا ہے، فارسی نظم و نثر میں ترنج کا ذکر برابر آیا ہے، چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

از بلخ ترنج و نارنج و نیشکر و نیلوفر (حدود العالم)

⁂

ما بہ بلخ بودیم ۔۔۔۔ از قصدار ۔۔ ۔۔ نامہ ہای یوسف آوردند و ترنج و انار و نیشکر نیکو۔
(تاریخ بیہقی چاپ ادیب ۱۲۵)

⁂

درختان میوہ دار و نہال آنہا ترنج و نارنج و بادرنگ و لیمو و گل بنفشہ و نرگس و نیلوفر و مانند این در بوستان آوردند۔

(نوروز نامہ منسوب بخیام)

گہ ترنجی دربنان وگہ کمانی برکتف
گاہ زوبینی بدست وگاہ رطلی بردہان
(فرخی)

بادا رخ حاسدت ترنجیدہ و زرد
سربرِطبق نہادہ پیشت چو ترنج
(سوزنی)

جہان نسیم ترنج حدیث من بگرفت
کہ نخل زار معانی بہ بوستان منست
(خاقانی)

رسم ترنج است کہ در روزگار
پیش دہد میوہ پس آرد بہار
(نظامی)

ترنج زریا ترنج زردست افشار یا ترنج طلاے افشار فارسی زبان کی تلمیح ہے اور فارسی فرہنگوں میں آئی ہے، فارسی کی قدیم ترین فرہنگ لغت فرس[1] (ص ۱۵۹) میں زرِمشت افشار کی تشریح ان الفاظ میں ملتی ہے:

"زری بود کہ چون کسری بدست فشردی نرم شدی، رودکی گوید
بادرفش کاویان وطاقدیس زرمشت افشار و شاہانہ کمر"

فرہنگِ جہانگیری میں ایک بار زرمشت افشار کے ذیل میں آیا ہے (۱: ۱۰۰۰)
"زرمشت افشار قدری زر بودہ درخزانہ خسرو پرویز مانند موم نرم کہ ہر صورتی کہ از آن خواستندی بی آتش ساختندی حکیم سوزنی گفتہ۔

زرِمشت افشار بودی بوسہ اورا بہا
صلت آورد و سزای وی زمشت افشار شد"

اسی فرہنگ (۲: ۱۴۰۲) میں مشت افشار و مستفشار کے ذیل میں آیا ہے:

" مشتفشار بمعنی مشت افشار است و شرح آن در ذیل لغت زرِ مشت افشار مرقوم شد۔"

استاد فرخی نظم فرمودہ :

بنامِ جودِ شش غوّاص اگر بجز شود　　نخست دست رساند به لؤلوی شہوار
چو کوہ کان کہ بکان شد بکام دولت او　　نخست میتن در زد بزرِ مشتفشار"

رشیدی ۲ : ۱۴۱۳ میں آیا ہے :

" مشت افشار پارچۂ زری مانند موم نرم بود کہ پرویز داشت وہر صورتی کہ می خواست از آن می ساخت۔"

مشت افشار کو پارچۂ زر نہ جانے کس ماخذ کی بنیاد پر کہا گیا ہے، اول زرِ مشت افشار کو بحذف زر کہنا درست نہیں، دوم یہ کہ یہ سونا تھا نہ کہ پارچہ۔

برہان ج ۲ ص ۱۰۱۱ میں زرِ مشت افشار کی تشریح اس طرح ملتی ہے :

" مشہور ہے کہ خسرو پرویز کے پاس طلائے مشت افشار تھا، وہ موم کی طرح نرم تھا اور اس سے جو شکل چاہتے بنا لیتے، کہتے ہیں کیمیاگروں نے اس کو اس درجے تک پہنچا دیا تھا۔"

اسی فرہنگ میں دوسری بار زرِ مشت افشار کے ذیل میں آیا ہے (ج ۲ ص ۱۰۱۲)

" یہ طلائے مشت افشار ہے جو خسرو پرویز کے خزانے میں تھا، موم کی طرح نرم کہ جس سے جو شکل چاہتے بنا لیتے، کہتے ہیں صنعت اکسیر کے صناعوں نے اس کو اس درجے تک پہنچایا تھا۔"

(ج ۴ ص ۲۰۱۱)

تیسری بار مشت افشار (بحذف زر یا طلا) (ج ۴ ص ۲۰۱۱ کے ذیل میں آیا ہے :

" مشت افشار طلائے دست افشار باشد و آن در خزینۂ خسرو پرویز بودہ، گویند مانند موم نرم شدی و ہر صورتی کہ ازان خواستندی ساختندی۔"

غیاث اللغات ص ۲۳۷ میں ہے :

" زر دست افشار خسرو پرویز کا بیش قیمت سونا تھا جو موم کی طرح نرم تھا، سراج میں ہے کہ بقول بعض کہ یہ سونا کیمیا کے ذریعے نرم کیا گیا تھا۔"

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جہانگیری، رشیدی اور برہان میں مشت افشار کو معنی زرمشت افشار قرار دیا ہے جو درست نہیں ہے۔

آنندراج میں ترنج زر کے بارے میں ہے کہ پرویز نے زر دست افشار سے ایک ترنج تیار کر لیا ہے، اور جب بھی چاہتا ہے تو ذرا سے ہاتھ کے فشار سے موم کی طرح نرم کر لیتا۔

فرہنگ آنندراج میں مزید آیا ہے:

" طلای دست افشار مشہور است کہ خسرو پرویز داشت و مانند موم نرم می شد و ہر صورتی کہ از ان می خواست می ساخت گویند اہل عمل آنرا باین مرتبہ، سانیدہ بود در بجای آن سیم دشت افشار نیز آمدہ، ظہوری۔

ترنج سیم دست افشار خسرو
انار سینۂ شیرین وشان کرد

غالب کہ سیم درینجا بمعنی طلا باشد، پس استعجاب درین شعر جامی

زر دست افشار زرّین بس مخش شو
بیا این سیم دست افشار بشنو

باعتبار معنی حقیقی سیم باشد کہ قصہ است[۱]"

یہاں تک تو بعض اہم فرہنگوں کے اقتباسات درج ہیں، اس سلسلے میں چند باتیں خصوصی طور پر قابلِ توجہ ہیں:

۱۔ اسدی طوسی نے لغت فرس میں زدمشت افشار اور طاقدیس کو کسی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگرچہ لغت فرس کے دو اور نسخوں میں زرمشت افشار کا اندراج نہیں۔

۲۔ اکثر روایتوں میں دست افشار کے بجائے مشت افشار ہے، یہاں تک کہ عربی ماخذوں میں "مشتفشار" ایک الگ لفظ کی شکل میں ملتا ہے۔ مگر نظامی گنجوی کی اس بیت میں دست افشار ہی ہے۔ ملک را ز دست افشار در مشت۔
کز افشردن بروں می شد ز انگشت (گنجینۂ گنجوی ص ۸۰)

۳۔ بعض فرہنگوں میں زرمشت افشار کو طلسمی چیز بتایا ہے، لیکن تاریخی ماخذوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

ذیل میں بعض تاریخوں کے سے زرمشت افشار کی توضیح پیش کی جارہی ہے۔

زین الاخبار گردیزی (تالیف ۴۴۲ ۔ ۴۴۳ھ) ص ۴۵ ۔ ۴۶ طبع تہران تصحیح حبیبی میں ہے:

" پرویز کے پاس زر و جواہرات اور بیش قیمت اشیا کی فراوانی تھی، اس نے اتنی بیش قیمت چیزیں فراہم کرلی تھیں جو اس سے قبل کسی فرمانروا کے خزانے میں نہ تھیں، ان میں سے بعض چیزوں کے بارے میں کچھ عرض کیا جارہا ہے۔ اس کے یہاں شطرنج کی ایک بساط تھی جس کے ایک طرف کی سطح سرخ یاقوت کی اور دوسری طرف کی زرد یاقوت کی بنی تھی۔ پانسہ بھی یاقوت اور زمرد کا تھا۔ اس کی قیمت ۳۲ ہزار پارۂ یاقوت تھی، علاوہ بریں اس کے پاس گنج عروس، گنج باد آورد، گنج دیبا خسروی، گنج سوختہ، زرمشتفشار تخت شاہ طاقدیس اور تخت پیش سار تھے۔"

مجمل التواریخ والقصص ص ۸۰ ۔ ۸۱ میں زرمشت افشار کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

" و خسرو پرویز را بود زرمشت افشار کہ بر آن مہر نہادی و بر سان موم نرم بود۔"

کتاب ایران بعد ساسانیاں (ص ۴۲۸) میں غرر ملوک الفرس کے حوالے سے یہ اطلاع ملتی ہے:

" پرویز کے دربار کے عجایب و نفائس میں ایک شطرنج کی بساط تھی جس کے

مہرے یاقوت اور زمرد کے بنے ہوئے تھے، پانسہ مونگے اور فیروزے کا تھا۔ اس کے علاوہ سونے کا ایک ڈلا تھا جس کا وزن دو سو مثقال تھا۔ یہی زر مشتغشار تھا جو موم کی طرح نرم تھا اور جس کو جس شکل میں چاہتے بنا لیتے۔"

سب سے زیادہ دلچسپ اور مستند اطلاع البیرونی نے بہم پہنچائی ہے، الجماہر میں آیا ہے:

"اغلب الظن فی الذھب المشتغشار انہ للینہ وانہ کان فی ایام الفرس محظوراً علی العامۃ من جھۃ السیاسۃ وکان للملوک خاصتہ۔" (ص ۲۳۴)

طلائے مشت افشار (مشتغشار) کے بارے میں گمان غالب ہے کہ یہ اپنی نرمی کی وجہ سے (اس نام سے موسوم) ہے، ساسانی عہد میں سیاسی وجہ سے عوام کے لیے (اس کا) استعمال ممنوع تھا۔ یہ زر محض ملوک کے لیے مخصوص تھا۔

چند سطر بعد الجماہر میں پھر آیا ہے:

"وقال حمزۃ ان سیبتہ کانت من کرۃ من ذھب محلول تقلبھا الملوک ولعبًا بھا کما تقلب الآن اکرا للمخالخ، وکان اذا قبض علیھا انسال الذھب من بین اصابعہ کانہ عصرہ فالعصیر والمشتغشار ھو شراب المعصور بالید ولا بالارجل و شراب المعصور بالارجل للعوام۔" (ص ۲۳۵)

حمزہ کہتے ہیں سیبہ محلول سونے کی بنی ہوئی گیند (کرہ یا گولا) ہے جسے بادشاہ (ہاتھ میں لے کر) تفریحاً کھیلا کرتے ہیں۔ جیسے آج کل لوگ لخلخہ کے گولے سے کھیلتے ہیں، اور جب اس گولے کو ہاتھ سے دباتے ہیں تو انگلیوں کے بیچ سے سونا ایسے ٹپکتا ہے جیسے کہ وہ شیرہ ہو جو نچوڑا جاتا ہے، مشتغشار شراب ہے جو ہاتھ سے نچوڑی جاتی ہے، پاؤں سے نہیں، پاؤں سے جو شراب نچوڑی جاتی ہے وہ عام لوگوں کے لیے ہے اور جو ہاتھ سے نچوڑی جاتی ہے وہ خواص کے لیے ہے۔

اس کے بعد بیرونی نے امکان سیلان طلا کی بابت گفتگو کی ہے، اور تورات کے

ملوک کے سفر کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے، آخر میں اس ہدیے کا ذکر ہے جو حیرام بادشاہ صور نے سلیمان کو پیش کیا تھا۔

بیرونی کے اقوال کی اہمیت اس لحاظ سے بہت ہے کہ اس نے زرمشت افشار کو صرف پرویز اور کسریٰ سے مخصوص نہیں کیا ہے بلکہ بغیر کسی شرط کے سارے ساسانی بادشاہوں (ملوک فرس) سے منسوب کیا ہے، یہ بھی بتایا ہے کہ یہ محض بادشاہوں سے مخصوص تھا، عوام اس کا استعمال نہیں کر سکتے تھے، اور یہ سونا اتنا نرم ہوتا تھا کہ ذرا سا دبائیں تو انگلیوں کے درمیان سے بہنے لگتا تھا۔

آخر میں فارسی شاعروں کے کچھ مزید شعر درج کیے جاتے ہیں، ان سے زرمشت افشار کی بعض خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔

خاقانی کا قصیدۂ ایوان بہت مشہور ہے، اس میں بے ثباتی دنیا کا نقشہ نہایت موثر انداز میں کھینچا گیا ہے، اس کے چند اشعار میں نوشیرواں اور پرویز کی شاہانہ زندگی کے عبرتناک انجام کی عکاسی کی گئی ہے۔ (دیوان ص ۳۵۸ - ۳۶۰):

مست است زمین زیرا خوردست بجای می در کاس سر ہرمز خون دل نوشروان	زمین مست و مدہوش ہے اس لیے کہ بجائے شراب کے اس نے ہرمز کے سر کے پیالے میں نوشیروان کے دل کا خون پیا ہے۔
بس پند کہ بود آنگہ در تاج سرش پیدا صد پند نو است اکنون در مغز سرش پنہان	اس کے تاج سر میں جو شہنشہی کی نشانی تھی نہ جانے کتنی ایسی نصیحتیں تھیں اور اب بعد مرگ بھی اس کے مغز سر میں سیکڑوں نصیحتیں پنہاں ہیں۔
کسریٰ و ترنج زر، پرویز و بہ زرین بر باد شدہ یکسر با خاک شدہ یکسان	نہ کسریٰ کا ترنج زر باقی ہے اور نہ پرویز کی بہ زرین کا نام و نشان ملتا ہے، دونوں برباد ہو کر خاک میں مل گئے۔
پرویز بہر بزمی زرین تره آوردی کردی ز بساط زر زرین تره را بستان	پرویز جہاں بھی جاتا زرین ترہ لے جاتا، اور بساط زر سے زرین ترہ کو بوستان بنا دیتا۔

پرویز کنوں گم شد زان گم شدہ کمتر گوی
زرّین ترہ کو، برخوان، روکم ترکوا برخوان

شہنشاہ خسرو پرویز مرگیا، مرے ہوئے لوگوں کے ذکر کا وقت نہیں، اس کی شوکت کی نشانی زرّین ترہ کہاں ہے اس کو پکارو (پکارنے سے نہیں ملے گا) عبرت کے لیے آیت قرآنی "کم ترکوا" پڑھو۔

گفتی کہ کجا رفتند آن تاجوران اینک
زایشان شکم خاکست آبستن جاویدان

تو جانتا ہے کہ ایسے نامور بادشاہ کہاں چلے گئے، جان لو کہ ان کو زمین کھا گئی اور ہمیشہ کے لیے وہ ان کے پیٹ میں سما گئے۔

خون دل شیریں است آں می کہ دہد رزبُن
ز آب و گِل پرویز است آن خم کہ نہد دہقان

انگورستان سے جو شراب نکلتی ہے وہ شیریں کے دل کا خون ہے، اور شراب کی جو خم دہقان بناتا ہے وہ پرویز کی آب و گل سے بناتا ہے۔

نظامی گنجوی کی حسب ذیل بیت میں زردست افشار آیا ہے:

ملک را زردست افشار درمشت
کز افشردن برون می شد ز انگشت

(گنجینہ ص ۸۰)

اس سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ مشت افشار کی جگہ نظامی نے دست افشار لکھا ہے، اکثر قدیم ماخذوں میں مشت افشار ہے، نظامی کی بیت سب سے قدیم ماخذ ہے جس میں مشت افشار کے بجائے دست افشار ہے۔

۲۔ بادشاہ اس کو اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اور کبھی کبھی شعوری اور غیر شعوری طور پر اس کو دباتا تھا تو انگلیوں کے درمیان سے سونا نکلتا، اس کی تصدیق البیرونی کے

بھی بیان سے ہو جاتی ہے۔

آخر میں عرفی شیرازی (م ۹۹۹ھ) کا ایک[۱۱] مشہور شعر نقل کیا جاتا ہے:

دست[۱۲] الماس ہمت بود گرو ا بینی اکنونش
ترنج زر دست افشار پرویز جہاں بینی

اکثر نسخوں میں 'دلت' ہی ہے، اس صورت میں شعر کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے دوست تیرا دل ہمت کے اعتبار سے ایسا سخت تھا جیسا کہ ہیرا ہوتا ہے جو کسی طرح توڑا ہی نہیں جا سکتا، لیکن اب اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ اتنا نرم ہوگیا ہے جیسا کہ پرویز کے ہاتھ میں زر مشت افشار سے بنا ہوا ترنج جس کی نرمی کا یہ عالم تھا کہ ذرا سا دبانے سے سونا انگلیوں کے بیچ سے بہہ نکلتا تھا۔

لیکن اگر 'دلت' کے بجائے 'دلم' پڑھا جائے تو وہ ساری خاصیت جو محبوب کے دل کی تھی وہ خود شاعر کی اپنی ہو جائے گی۔ اور میں اسی قرأت کو بہتر سمجھتا ہوں اس لیے اس بیت سے پہلی بیت میں ضمیر متکلم کا استعمال ہوا۔ ضمیر غائب کا نہیں، ملاحظہ ہو:

بحفظ گریہ مشغولم اگر بینی درونم را
ز دل تا پردۂ چشمم دو شاخ ارغوان بینی

طلائے دست افشار یا مشت کی جو تفصیلات فرہنگوں، تاریخوں اور شعرا کے کلام سے پیش کی گئی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ یہ تلمیح کافی دلچسپ ہے، اور اسی بنا پر غالب نے بھی اس کو استعمال کیا، لیکن نہ بھولنا چاہیئے کہ ترنج زر اور طلائے دست افشار الگ الگ تلمیح نہیں، یہ دونوں ایک ہی تلمیح ہے۔ یعنی ترنج زرِ دست افشار پرویز۔

حواشی

۱۔ ذوق کا بھی ایک شعر ہے جس میں طلائے دست افشار استعمال ہوا ہے:

نکلے کان سے فولاد تا ابد ھرگز۔ عجب نہیں ہے بغیر از طلای دست افشار

ے ساسانی خاندان کا بانی اردشیر بابکان تھا، اس نے اپنے دادا ساسان کے نام پر ۲۲۶ء میں اس خاندان کی بنا ڈالی۔ جو ۴۲۶ برس تک قائم رہی، اس خاندان کی سیاسی و تمدنی برتری کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بجتا رہا، اور اسی تمدنی برتری کی گہری چھاپ اسلامی تمدن پر نظر آتی ہے۔

ٿ قباد کا بیٹا تھا، تاریخ میں انوشروان کے نام سے مشہور ہے، ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک فرماں روائی کی، اس نے مزدکیوں کا خاتمہ کیا، اس کے زمانے میں شاہی اقتدار کا استحکام اور معاشرتی نظام کا احیا ہوا، اس کا دور علمی و فلسفیانہ تمدن کا شاندار عہد سمجھا جاتا ہے، نوشیرواں عدل و انصاف کا نمونہ تھا، اس کے عدل کی مناسبت سے مشرق میں متعدد حکایات ملتی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اسی عادل بادشاہ کے عہد میں ہوئی تھی۔

ٹ خسرو پرویز کے سات مشہور خزانے تھے جن کے نام شاہ نامے میں فردوسی طوسی نے اس طرح لکھے ہیں: ۱۔ گنج عروس ۲۔ گنج باد آور (= باد آورد) ۳۔ گنج دیبۂ خسروی۔ ۴۔ گنج افراسیاب ۵۔ گنج سوختہ ۶۔ گنج خضرا ۷۔ گنج شادورد۔

برہان قاطع میں آٹھ خزانے ملتے ہیں، آٹھویں خزانے کا نام گنج بار تھا۔ (ج ۲ ص ۱۸۳۹)۔

ث عرفی کے اس مصرعہ میں پورا فقرہ آیا ہے: تریخ زردست افشار پرویز جہاں بینی۔

ج میرے پیش نظر لغت فرس کے تین نسخے ہیں، ۱۔ تصحیح عباس اقبال آشتیانی، تہران ۱۳۱۹، ۲۔ تصحیح ذکر دبیر سیاقی چاپ دوم ۱۳۵۶، ۳۔ تصحیح دکتر مجتبائی ۱۳۶۵۔ اول الذکر نسخے میں یہ تلمیح ملتی ہے، لیکن بقیہ دونوں سے خارج ہے، اس بنا پر اس اندراج کے بارے میں شک باقی رہ جاتا ہے۔

ے نام کتاب موبد سروش بن کیوان جا کا نگار از پیروان آذر کیوان زردشت افشار یا زردست افشار است، دیکھیے بعض فواید لغوی کتاب الجماہر بیرونی بقلم دکتر محمد معین،

ٺ برہان ۳: ۱۴۴۲ میں ہے کہ طاقدیس کے لغوی معنی مانند طاق ہے (دیس = مانند)، خسرو پرویز کا تخت تھا جو اسے فریدوں سے ملا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس میں آسمان و نجوم کے حالات ظاہر

ہوتے تھے، اس میں تین درجے تھے جن میں ارکان دولت کی نشست ہوتی۔ برہان کے حاشیہ میں ہے کہ بیزانسی مورخ Kedrenos نے تیوفال کی ایک کتاب (جو قرن ہشتم کی تھی) کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہرقل قیصر کے ہاتھوں ۶۲۴ء میں جب خسرو پرویز ہار گیا تو قیصر کاخ گنزک میں وارد ہوا: اس میں بت خسرو کو دیکھا جو ایک مہیب شکل کا تھا، پرویز کی ایک تصویر دیکھی جو محل کے بلند مقام پر ایک تخت پر رکھی ہوئی تھی، اس تخت کی شباہت ایک بڑے گنبد کی تھی جو آسمان کے مانند تھا۔ اس کے گرداگرد چاند، سورج اور ستارے چمک رہے تھے جنھیں کافر پرستش کرتے تھے، اور شاہ کے ایلچیوں کی بھی تصاویر تھیں جن کے ہاتھ میں عصا تھا، اس گنبد میں ایسے آلات لگا دیے گئے تھے جن سے پانی کے قطرے ٹپکتے تھے۔ اور بجلی کی کڑک کی آواز کان میں آتی تھی۔ (نیز رک: ایران بعہد ساسانیان ص ۴۲۶ ببعد)۔

فردوسی نے طاقدیس کی تفصیل درج کی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے:

ز تختی کہ خوانی ورا طاقدیس

کہ بنہاد پرویز در اسپریس

۹ اس حقیقت کی تصدیق نظامی کی اس بیت سے ہوجاتی ہے:

ملک را زر دست افشار در مشت

کہ افشردن برون می شد ز انگشت

۱۰ ہرمز چہارم نوشیرواں کا بیٹا، خسرو پرویز کا باپ اور ساسانی خاندان کا بائیسواں فرمانروا تھا جس نے ۵۷۹ تا ۵۹۰ء حکومت کی تھی۔

۱۱ قرآن سورۂ دخان (۴۴) آیت ۲۵ تا ۲۹۔ کَمْ تَرَکُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۝ وَّنَعْمَۃٍ کَانُوْا فِیْہَا فٰکِہِیْنَ ۝ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰہَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۝ فَمَا بَکَتْ عَلَیْہِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا کَانُوْا مُنْظَرِیْنَ۔ (وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جس میں وہ خوش رہا کرتے تھے چھوڑ گئے، یہ اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا، نہ تو ان پر آسمان و زمین

کو روانا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی)۔

۱۳ یہ عرفی کے اس قصیدے سے لیا گیا ہے جو سنائی کے قصیدے کی پیروی میں لکھا گیا ہے، اس کا مطلع اس طرح ہے :

زخود گردیده برجندی چگویم کام جان بینی
همان کز اشتیاق دیدنش زادی همان بینی

سنائی کا مطلع یہ ہے :

دلا تا کی درین منزل فریب این و آن بینی
یکی زین چاه ظلمانی برون شو تا جهان بینی

۱۴ ہندوستانی نسخوں میں ولت ہے، لیکن دلم زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

غالب کے ایک شعر کی چار تلمیحات

غالب کے قصیدہ[1] کا ایک شعر یہ ہے:

بدشتبانیِ ترکانِ ایبک و قبچاق
بہ میرزائیِ خوبانِ خلخ و نوشاد

اِس شعر میں حسبِ ذیل چار تلمیح آئی ہیں، جس کی تشریح و توضیح اس مقالے کا موضوع ہے —

۱- ترکانِ ایبک
۲- قبچاق
۳- خوبانِ خلخ
۴- خوبانِ نوشاد

ترکانِ ایبک:

اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے ایبک ترکوں کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ لیکن اس کی تصدیق تاریخوں سے نہیں ہوتی۔ "ایبک" ایک معنی دار ترکی لفظ ہے جس کے معنی اور تلفظ میں اختلاف ہے: بعض فرہنگوں میں ایبک کا پہلا حرف مکسور ہے، برہان قاطع: ایبک

[1] یہ قصیدہ حضرت امام حسینؓ کی منقبت میں ہے (کلیاتِ مطبوعہ لاہور ص ۹۲)۔

باثانی مجہول بروزن زیرک، بت یعنی صنم

غیاث اللغات : ایبک بالکسر و یای مجہول و فتح باء موحدہ و کاف عربی بمعنی بت
که بعربی صنم گویند، مجازاً بمعنی معشوق آید از برہان و رشیدی،
و در لطائف بمعنی غلام و قاصد

تعلیقات طبقات ناصری
(عبدالحی حبیبی) ذیل نامهای ترکی.
ایبک بکسرہ و یای مجہول و فتح با بمعنی بت که بعربی صنم گویند،
گاہی مجازاً بمعنی معشوق آید، در لطائف بمعنی غلام و قاصد است،
اما اینکه معنی ایبک را "شل" نوشته اند، مانند تاریخ فرشته و
به تعقیب وی دیگران سهو شده اند و تصحیف خوانی عبارت منہاج
سراج (مؤلف طبقات ناصری).

لغت نامۂ دہخدا ج ۸ ص ۵۱۰ : ایبک (حرف اول مکسور، بت را گویند و بعربی صنم خوانند،
رہان، غیاث، ہفت قلزم : بت، صنم، بمجاز بمعنی معشوق، غیاث، آنندراج ۔

در گوشۂ نہ گردوں تو دوش قتق بودی
مہ طرف ہمی کردت ای ایبک خرگاہی

ام و قاصد، غیاث، آنندراج : گفت ای ایبک بیاور آن رسن
تا بگویم من جواب الحسن
(مولوی)

فرہنگ معین : ایبک aibak [= آی بک، ترکی، ماه، بزرگ] (ج ۱ ص ۱۲)

۱۔ اسم خاص ۔ نامی است ترکان را
۲۔ قاصد (مجازاً)
۳۔ غلام (مجازاً)

گفت ای ایبک بیاور آن رسن تا بگویم من جواب بوالحسن
(مثنوی معنوی، نکلسن دفتر ۵ ص ۱۹۷)

فرہنگوں کی نسبت سے ایبک کے سلسلے میں دو ہی اہم باتیں سامنے آئیں :

۱۔ اختلافِ تلفظ، یعنی اکثر فارسی فرہنگوں میں اس کا تلفظِ ایبک ([illegible]) ہے۔ (حرفِ اوّل مکسور)۔

البتہ ڈاکٹر معین نے لفظ کا پہلا جز ۸۶ (آی) سے مستفاد بتایا ہے، اور کلمے کا تلفظ ایبک (حرفِ اوّل مفتوح) قرار دیا۔ یا یوں کہیے کہ ای مصوت دو ہجائی ہے، جیسے مَے، طَے وغیرہ۔ چوں کہ قدیم زمانے سے سلطان قُطب الدین کو قُطب الدین اَیبک (حرفِ اوّل مفتوح) پڑھا جاتا ہے، اس بنا پر ڈاکٹر معین کی روایت زیادہ قابلِ قبول ہے۔

۲۔ اختلافِ معانی، عام فارسی فرہنگوں میں اس کے معنی بت بمعنی صنم مجازاً معشوق لکھا ہے۔ لیکن کوئی سند نہیں پیش کی گئی ہے، تعجب اس بات پر ہے کہ حبیبی صاحب نے فارسی فرہنگوں کی بنیاد پر اس ترکی لفظ کے معنی درج کیے ہیں، اور تلفظ بھی انھیں فرہنگوں سے لیا ہے، ان کے سامنے کاشغری[1] کا ترکی لغت تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آخرالذکر فرہنگ میں یہ لفظ شامل نہ ہوگا، ورنہ اس کے نہ ذکر کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ لطایف میں مندرج دو معنی یعنی غلام، قاصد درج ہیں، ان کا ذکر حبیبی صاحب نے بغیر توضیح کیا ہے۔ البتہ ڈاکٹر معین کی تشریح کسی قدر جامع ہے، ایبک بمعنی غلام فارسی میں مستعمل ہے جس کے لیے موصوف نے مولانا روم کا ایک شعر پیش کیا ہے، ایبک ترکی نام یا نام کا جز ہوا ہے۔

اب قطب الدین ایبک جس نے دہلی سلطنت کی بنیاد ۱۲۰۶ء میں رکھی تھی، اس کی نسبت سے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔

منہاج سراج نے[2] طبقات ناصری میں یہ جملہ لکھا ہے:

"انگشت خنصرا و شکستی داشت، بدان سبب او را ایبک شل گفتندی، (اس کی چھوٹی انگلی ٹوٹی تھی اس وجہ سے اس کو ایبک شل کہتے تھے)۔

اس جملے سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ ایبک کے معنی شل ہے، یہ نتیجہ گیری صحیح نہیں، ٹوٹی انگلی کے سبب اس کو ایبک شل کہتے تھے، نہ کہ ایبک کے معنی شل کے ہیں، میجر راورٹی[3] نے

---

[1] محمود کاشغری مولف دیوان لغات الترک، تالیف ۴۶۶ھ، طبع استنبول، سہ جلدی، ۱۳۳۳ھ۔
[2] طبع کابل ج ۱ ص ۴۱۶۔ [3] انگریزی ترجمہ ج ۱ ص ۵۱۳۔

اس سلسلے میں بعض مفید باتیں لکھی ہیں:

۱۔ جامع التواریخ اور فناکتی میں ایبک لنگ ملتا ہے۔

۲۔ ترکی زبان میں ایبک بمعنی اُنگلی ہے۔

۳۔ شَل (بالفتح) کے بجائے شِل (بالکسر) پڑھنا چاہیئے، شَل کے معنی: وہ جس کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے ہوں، اور شِل بمعنی جس کے ہاتھ پاؤں کمزور ہوں۔

اس کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایبک کے معنی شَل یا شِل نہیں ہے، بلکہ لفظ شَل یا شِل ایبک کی صفت ہے، پس قطب الدین ایبک شَل وہ قطب الدین جس کی اُنگلی ٹوٹی ہوئی یا جو کمزور ہو۔ اس سلسلے میں قابلِ ذکر امور یہ ہیں:

۱۔ منہاج سراج کے اس قول کی تصدیق کسی اور ذریعے سے نہیں ہو سکی ہے کہ سُلطان قطب الدین کو "قطب الدین ایبک شَل" کہتے تھے۔ عام روایت تو یہی ہے کہ اس کا پُورا نام قطب الدین ایبک ہی ہے۔ بخوبی ممکن ہے کہ لڑکپن میں اس کو ایسا کہتے ہوں، لیکن اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد ایبک کے ساتھ "شل" کا اضافہ بظاہر صحیح نہیں سمجھا گیا، اس لیے کہ اس سے اس کے ایک عیب کا پتا چلتا ہے۔ گو یہ بات بھی بھولنے کی نہیں کہ ایران میں ظاہری عیب کے نام کا جزو بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جیسے تیمور لنگ، سیف الدین اعرج، بہاؤ الدین کور، وغیرہ۔ ناموں میں لنگ، اعرج، کور وغیرہ سے عیب نمایاں ہو رہے ہیں۔

۲۔ میجر راورٹی نے ایبک کے معنی اُنگلی کے لکھے ہیں، لیکن اس کا ماخذ معلوم نہیں، اس قول کی بناء پر ایبک شَل کے یہ معنی ہوں گے کہ قطب الدین جس کی اُنگلی ٹوٹی ہو، لیکن اسی سے یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ ایبک قطب الدین کے ساتھ جُڑا ہو جس کی صفت شَل تھی یعنی قطب الدین ایبک جو شَل ہے۔ پہلی صورت میں قطب الدین "ایبک شل" ہے اور دوسری صورت میں قطب الدین ایبک "شل" ہے۔

یہاں تک تو ایبک کے معنی کی بحث تھی، جس میں ماخذ کی کمی کی وجہ سے کسی قطعی نتیجے پر نہیں پہنچا جا سکتا، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ ایبک ایک شخص کا نام یا نام کا جز

ہے، بظاہر قطب الدین اپنے نام کے مقابلے میں ایبک نام سے ہندوستان میں معرکہ آرائی کا نشان بن گیا ہے۔ جیسا کہ اس مصرع سے ظاہر ہے:

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی

غالب کے مندرجہ بالا شعر میں جہاں ایبک کو ترکوں کا ایک قبیلہ قرار دے دیا ہے اس قبیلے کی گلہ بانی کی طرف اشارہ ہے، ظاہر ہے کہ ترکوں کے متعدد قبیلے گلہ بان تھے جن میں سلجوق[1] اور غز[2] خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، سلجوق قبیلہ گلہ بانی سے اُٹھ کر پورے ایران کا حکمراں ہوا، بلکہ ایشیائے کوچک کے اکثر حصے سلجوقی فرمانرواؤں کے قبضے میں آگئے تھے لیکن غز اپنے آبائی پیشہ پر جمے رہے اور پورے ایران پر اپنی دہشت گری کا رعب کئی صدی تک ایسا بٹھا رکھا کہ فرمانروای ایران ان کے نام سے کانپتے تھے۔ انھوں نے سنجر سلجوقی جیسے عظیم بادشاہ کو قید کر لیا تھا جو تاریخ ایران کا نہایت مشہور باب ہے۔

غالب ترکوں اور ترکمانوں کی گلہ بانی تو جانتے تھے لیکن ان کے قبیلوں کے نام سے واقف نہ تھے، اسی بنا پر انھوں نے "ایبک" کو ایک ترک قبیلہ بتا دیا۔

(۲) قبچاق:

قبچاق، قپچاق اور قفچاق بھی کہلاتا ہے، یہ شمال بحر خزر کا ایک خطہ ہے جو جنگلوں اور سبزہ زاروں سے پُر ہے، اس کی وجہ سے یہ خطہ اپنی چراگاہ کے لیے مشہور ہے، ترک عام طور پر وحشی خانہ بدوش تھے، جو گلہ پالتے اور اپنے گلوں کے ساتھ چراگاہ کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا کرتے، انھیں خانہ بدوش ترکوں میں سلجوقی ترک اور غز بہت مشہور ہوئے، سلجوقیوں کے حصے میں ایران اور ہموار خطے کی حکمرانی نصیب ہوئی لیکن غز آخر وقت تک گلہ بانی ہی کرتے رہے تھے، آخر میں اتنے قوی تھے کہ تمام حکومتیں ان سے

---

[1] دیکھیے فرہنگ معین ج ۵، ۸۰۰ – ۷۸۴۔

[2] ایضاً ج ۶: ص ۱۲۴۸ – ۱۲۵۰۔

رزتی تھیں۔ سلطان محمود جیسے عظیم الشان بادشاہ نے غزوں کی بالادستی تسلیم کی، اور مسعود کے زمانے میں ان کی قوت کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی تھی، مشہور سلجوق حکمران سنجر ابھی غزوں سے شکست کھا کر مدتوں ان کی قید میں رہا۔

ترکوں کا وہ دستہ جو قبچاق کے نواح میں رہتا ہے، ان کا کوئی مخصوص نام نہیں وہ ترک قبچاق یا قفچاق کہلاتے تھے، لیکن یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ قبچاق خطّے ہی کا نام ہے، کسی ترک قبیلہ کا نام نہیں ہے۔ ترک قبچاق، قبچاقی کہلاتا ہے۔

قبچاق کی چراگاہ مختلف قبیلوں کی توجہ کی مرکز رہی ہے، ترکوں کا مشہور خانوادہ سلجوق ترک بھی اس خطے میں گلہ بانی کرتے تھے، جب چنگیزی مملکت کی تقسیم ہوئی تو قبچاق کا خطہ جوجی کی اولاد کے حصّے میں آیا، اور جوجی کا بیٹا باتو اسی خطّے میں مقیم رہا۔ مورخوں کے بقول ۱۴۹۲ء تک جوجی کی اولاد دشت قبچاق پر حکمران رہی۔

دشت قبچاق کے دو حصّے ہیں، شرقی: یہ خطہ درۂ سیحون اور النغ طاغ و کوچک طاغ پہاڑوں کے درمیان ہے اس کے مغرب میں گوگ اُردو قبایل کا مسکن ہے جو باتو کے مطیع ہیں، شمال میں ازبکان کا مسکن ہے جو شیبان کے ماتحت ہیں، مشرق میں الوس جغتائی کے خوانین رہتے ہیں۔ جنوب میں قزل قوم کا ریگ زار اور الکسار دکی کے پہاڑ ہیں۔

قبچاق غربی وہ خطہ ہے جس میں دریای ڈینوب اور والگا بہتے ہیں، اس کے مشرق میں یورال کے پہاڑوں کا سلسلہ ہے، مغرب میں ڈنیبر، شمال میں بحر خزر اور جنوب میں بحر اسود ہے۔ (فرہنگ معین ۵: ۱۳۳۷)۔

حدود العالم تالیف[1] ۳۷۲ھ اور زین الاخبار گردیزی[2] تالیف ۴۴۳ھ دونوں میں قبچاق کا تلفظ خفچاخ ہے اور یہی قدیمی صورت ہے۔ حدود العالم کی رو سے خفچاخ بجناک[3]

[1] طبع کابل ۱۳۴۲ھ ص ۳۸۶۔

[2] طبع تہران تصحیح حبیبی ص ۲۵۸، ۲۷۱۔

[3] دیکھیے حدود العالم ص ۳۸۶، بارتھولڈ نے مقدمے میں "بجناک" لکھا ہے، ص ۳۸، ۳۹۔

ے جنوب میں متصل ہے، اور اس کی دوسری سرحد صحرائے شمال سے ملتی ہے۔ پہلے یہ کیماک کا جز تھا، بعد میں اس سے جدا ہو گیا، اس خطے کا حاکم بھی کیماک کا ترک ہے۔ حدود العالم میں ایک عجیب بات یہ ملتی ہے کہ اس خطے میں حیوان نہیں، زیادہ ویرانی ہے، حالاں کہ بعد کے زمانے میں یہ خطہ اپنی چراگاہ کے لیے مشہور ہوا، یہاں کے باشندوں نے عام طور پر صاحب حدود العالم کے بیان کے مطابق بدخلق ہیں۔ کیماک کے لوگ بھی خوش خلق نہیں، لیکن اہلِ غنجاخ ان سے زیادہ بدخلق ہیں۔

(۳) خَلُّخ

خُلُّخ فارسی اور اردو شاعری کی مقبول عام تلمیح ہے، شاعروں کے یہاں ترکوں کی خوبصورتی مثالی ہوتی ہے، برہان قاطع میں خُلّخ کی توضیح اس طرح ہوئی ہے:

خُلُّخ بفتح اول و ضم ثانی مشدد بروزن فرّخ نام شہریست از ترکستان مسکن ترکان قرلق کہ مردم آنجا بزیبائی شہرہ بودند۔

اکثر شاعروں نے خُلّخ کے محبوبوں کا ذکر کیا ہے، چند شعر درج ہیں:

منوچہری دامغانی:

بابل کنی سراچۂ مطربان خویش   خُلّخ کنی وثاق غلامان می گسار

(دیوان ص ۳۲)۔

انوری:

کنار دجلہ ز خوبان سیمتن خُلّخ   میان رحبہ ز ترکان ماہ رخ کشمیر

(دیوان ۲۱۳)۔

معزّی:

خرگاہ بہ اکنون وحی روشن واتش   ساقی صنم خُلّخ و مطرب بت فرخار (دیوان ۳۴۹)۔

لہ کیماک ذکر حدود العالم ص ۲۸۵ میں ہوا ہے، البتہ زین الاخبار ص ۲۵۰ تا ۲۵۹ میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔

سراجی خراسانی :

بتی چو نیود درسہ شہر نامی در　　　یکی طراز دوم خلخ سوم تاتار

(دیوان ص ۱۷۰)

حافظ شیرازی :

گوی خوبی بردی از خوبان خلخ شاد باش　　　جام کیخسرو طلب کافراسیاب انداختی

(دیوان ص ۳۰۱)

خلخ کی تفصیل جغرافیہ کی قدیم کتاب حدود العالم (ص ۳۸۲) میں اس طرح ملتی ہے :
(خلخ کے) مشرق میں تبت کی کچھ حد اور کچھ حد یغما[1] اور تغز غز[2] کی ہے، جنوب میں کچھ حد یغما کی اور کچھ ماوراء النہر کی ہے، مغرب کی حد غوز[3] سے ملتی ہے اور شمال کی تخس، چگل اور تغز غز ہے۔ خلخ کا علاقہ بہت آباد ہے، اور ترکوں کے تمام خطوں میں سب سے زیادہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے، اس میں پانی کے رواں چشمے ہیں، آب و ہوا معتدل ہے، یہاں سے طرح طرح کے بالوں کی برآمد ہوتی ہے، باشندے خوش خلق، خوش خو اور کافی ملنسار ہیں، یہاں کے بادشاہ قدیم میں "جبغو" کہلاتے تھے، انھیں "یبغو" بھی کہتے تھے، اس خطے میں کافی

---

[1] حدود العالم ص ۲۸۲ میں ہے کہ یغما کے مشرق میں تغز غز، جنوب میں رود خوسند غون، مغرب میں حدود خلخ، یہ علاقہ کم سرسبز ہے لیکن شکار زیادہ ہے، بالوں کی کافی تجارت ہے، یہاں کے لوگ توی اور جنگجو ہیں۔ [2] تغز غز کے مشرق میں چین، جنوب میں تبت اور کچھ خلخ کا خطہ، مغرب میں خرخیز... ترکستان کے تمام خطوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، ترکستان کے تمام خطوں کے حکمران یہیں کے لوگ ہوتے تھے، یہاں کے لوگ بہادر اور جنگجو ہیں، یہاں کا مشک مشہور ہے۔ (حدود العالم ص ۲۸۱ - ۲۸۲)۔

[3] غوز کا افغانستان کے خطۂ غور سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے مشرق میں بیابان غوز و ماوراء النہر کے شہر، مغرب میں ریگستانی علاقہ اور دریای خزران، مغرب اور شمال میں رود اتل ہے۔ یہاں گھوڑے، گائیں اور بھیڑیں ملتی ہیں، یہاں کے باشندے اکثر تاجر پیشہ ہیں، اس علاقے میں کوئی شہر نہیں ہے۔

گاؤں اور شہر ہیں، یہاں کے لوگ شکاری ہوتے ہیں، کچھ کھیتی بھی کرتے ہیں، بعض گلہ بانی،
یہاں کی دولت بھیڑ، گھوڑے، قسم قسم کے مال ہیں، لوگ لڑائی پسند کرتے ہیں اور دشمن پر حملہ
کرنے میں مشاق ہیں۔

اس کے بعد خلخ کے ۱۵ شہروں اور قصبوں کا ذکر کچھ تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ خلخ کو قرلغ اور قرلق بھی کہتے ہیں، اس کی تشریح فرہنگ معین
ج ۶ ص ۱۴۴۹ میں اس طرح ملتی ہے:

قرلق [= قرلغ = قرلوغ = قرلیغ = قارلق = قارلوق = خرلخ (خلخ)] ایک ترک قوم
ہے جس کی مملکت کشور الیغور[1] کے جنوب میں تھی، اور نہر تاریم کا پورا علاقہ اس مملکت کا ایک
جزُ تھا۔ اس خاندان کو اس وقت سے بڑی اہمیت حاصل ہو گئی جب ۷۶۶ء میں خاقان
ترکان غربی کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور پھر قوم قرلق درۂ "چو" میں سکونت پذیر ہوئی۔
طبری کا قول ہے کہ ابتدا میں یہ قوم درۂ فرغانیہ تک پھیل گئی اور ترکمان کہلانے لگی، سلسلۂ
ایلک خانیان[2] جو ترکستان میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے وہ اسی قبیلے
سے تعلق رکھتے تھے، اسی قوم میں سے "غز" بھی اٹھے تھے، قرن ہشتم میں چین کے ان حصوں پر،
جو اسپیجاب سے فرغانہ تک پھیلے تھے، انھیں ترکوں کی بود و باش تھی، اسی قوم کے افراد
خلخی کہلاتے ہیں جو ایرانی شاعری میں اپنی موزونی قامت اور حسن صورت کی وجہ سے بے حد
مشہور ہوئے۔

---

[1] یہ ولایت تتار کے غرب میں ہے، الیغوری ترک اپنے امیر کو ایدی قوت کہتے تھے، چنگیز خاں نے سب سے
پہلے انھیں کو مغلوب کیا۔ (جہانگشای جوینی ج ۱ ص ۳۲ بعد) تتاریوں کا کوئی خط نہ تھا۔ انھوں نے ایغوروں سے
خط سیکھا۔ الیغوری خط و زبان کے لیے دیکھیے جہانگشا، ایضاً ص ۱۷)۔

[2] یہ آل افراسیاب، قراخانیان (ص ۴، ۱۱۴، ۱۳۶) خاقانیاں کے نام سے مشہور ہے، انھوں نے ایک مستقل
حکومت کی بنیاد رکھی جو قرن چہارم ہجری تا قرن پنجم ہجری تک ختن کاشغر سے لے کر ماوراء النہر کے بیشتر علاقوں
کے حکمراں رہے ہیں (فرہنگ معین ج ۵ ص ۲۱۷)۔

یہ بات عجیب ہے کہ باوجود اس کے کہ قوم قرلغ، قرلغ نام سے جانی جاتی ہے، لیکن شاعری میں "قرلغ" کے بجائے "خلخ" ہی متداول ہے۔

۴۔ نوشاد

برہان قاطع ۴ : ۲۱۹۷

نوشاد بفتح اول بروزن بغداد، نام شہریست حسن خیز و بدین سبب منسوب بخوبان شدہ است۔

اس پر ڈاکٹر محمد معین نے یہ تفصیلی حاشیہ لکھا ہے:

فارسی شعرا خصوصاً قدما نے نوشاد کا ذکر بالتکرار کیا ہے اور سیاق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی جگہ یا شہر کا نام تھا جہاں بہت خوبصورت محبوب رہا کرتے تھے۔ فرخی سلطان محمود کی تعریف میں کہتا ہے:

ہزار بتکدہ کندہ قوی تراز ہرمان
دویست شہر تہی کردہ خوشتر از نوشاد

(محمود نے ہرمان سے بڑے اور مضبوط ہزاروں بتکدے اجاڑے اور دو سو شہر نوشاد سے بڑھ کر خالی کرا دیے)۔

فرخی محمد بن محمود کی مدح میں کہتا ہے:

خلق را قبلہ گشت خانۂ تو
ہمچو زین پیش خانۂ نوشاد

(تیرا گھر سارے لوگوں کا ایسا ہی قبلہ ہو گیا جیسا کہ اس سے پہلے خانۂ نوشاد تھا)۔

فرخی پھر کہتا ہے:

تا بوقت خزان چو دشت شود
باغہای چو بتکدۂ نوشاد

(وہ باغ جو بتکدۂ نوشاد کی طرح (آباد سرسبز و شاداب) تھے، وہ خزاں کے موسم میں

ویران جنگل ہوجاتے ہیں)۔

فرخی کا شعر ہے:

تو بر آسای بشادی و ز ترکان بدیع
کاخ تو چونکہ کنشت است و بہار نوشاد

(تو اطمینان سے آرام کر، اور خوبصورت ترکوں کی وجہ سے محل بتکدہ اور نوبہار نوشاد ہوگیا ہے)۔

مسعود سعد سلمان کہتا ہے:

بزرگ شاہا رامش گزین و شادی کن
بخواہ جام می از دست آن بت نوشاد

(اے عظیم بادشاہ آپ چین کریں اور خوش رہیں، اور بت نوشاد (نوشاد کے محبوب کے ہاتھ) سے جام شراب نوش کریں)۔

امیر معزی سلطان ملک شاہ کی مدح میں کہتا ہے:

بہر مقام ترا باد نو بنو شادی
ز گونہ گونہ بتان مجلس تو چون نوشاد

(ہر جگہ تجھے طرح طرح کی خوشی نصیب ہو، تو رنگ رنگ کے محبوبوں سے خدا کرے تیری مجلس نوشاد کی طرح دلکش اور جاذبِ نظر ہو)۔

امیر معزی کا شعر ہے:

آراستہ شد باغ چو بتخانۂ مشکوی
وافروختہ شد راغ چو بتخانۂ نوشاد

(باغ ایسا آراستہ اور نکھرا ہوا ہے جیسا حرم سرا کا بت خانہ یا خسرو و شیریں کے خلوت خانے کا بت کدہ اور دامنِ کوہ ایسا سجا ہوا ہے جیسے بتخانۂ نوشاد)۔

معزی: بتی کو نسبت از نوشاد دارد
دلم ہر ساعت از نوشاد دارد

بردی خویش کوی و برزن من
چو لعبت خانهٔ نوشاد دارد

(محبوب جو نوشاد سے نسبت رکھتا ہے وہ ہر ساعت مجھے نئی طرح کی مسرت سے بہرہ ور کرتا ہے میرے گلی کوچے اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے نوشاد کا بت خانہ).

کمال اسماعیل:

نور دین شاہ ہنرمند کزو نوک قلم
ہر زمان عرض دہد لعبت نوشاد مرا

(شاہ نور دین ہے، اس کی وجہ سے میرا قلم میرے لیے ہر وقت نوشاد کا لعبت خانہ (جس میں رنگ برنگ کی خوبصورت گڑیاں ہیں) میرے سامنے پیش کرتا ہے) ... .

ان مثالوں سے جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں، خصوصاً قدما کے اشعار مانند اشعار فرخی و معزی و مسعود سعد سلمان سے .. ... تقریباً یقین ہو جاتا ہے کہ ان شعرا نوشاد کو ایک بت خانہ سمجھتے ہیں اور اس کو مثل نوبہار بلخ کے بت پرستوں (بودھوں) کے ایک بڑے مرکز میں شمار کرتے ہیں، یقیناً متاخر فرہنگ نویسوں نے اسی سے نوشاد کے حسن خیز خطہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور اس کو اپنی فرہنگوں میں اسی معنی میں استعمال کیا ہے[1]

مرحوم قزوینی لکھتے ہیں:

راقم نے لیدن کی تمام مطبوعہ کتب مسالک و ممالک، کو جو جغرافیین عرب کے عنوان سے چھپی ہیں، اور وہ نو کتابیں ہیں، بڑی توجہ سے مطالعہ کیا، ان میں اس طرح کا نام [نوشاد] قطعاً کسی عنوان سے مذکور نہیں، اور اسی طرح آثار البلاد قزوینی، نزہۃ القلوب فہرست اسامی اماکن تاریخ گزیدہ، لباب الالباب، راحۃ الصدور، جوامع الحکایات، فتوح البلدان، بلاذری، طبری و فرہنگ اسدی و لغات شاہنامہ از عبدالقادر بغدادی اور فہرست لغات شاہنامہ از ولف المانی میں اس کلمے کا کوئی نشان پتا نہیں ملا، محض ذیل کی کتابوں میں اس کلمے کا نشان ملا جس میں املا مختلف تھا:

تاریخ ابن الاثیر میں حوادث سال ۲۵۰ کے ذیل میں، عنوان: ذکر قتعد یعقیب....

---

[1] خطبہ مرحل ... ، ج ۰ ، ص ۲۴۰.

کے تحت مؤلف کہتا ہے : " وسار الی بلخ و طخارستان، فلما وصل الی بلخ نزل بظاہرہا وخرب نوشاد وہی ابنیۃ کانت بناہا داود بن العباس بن ماہجور خارج بلخ، ثم سار یعقوب من بلخ الی کابل واستولی علیہا الخ :"

[اور بلخ اور طخارستان کی طرف روانہ ہوا، پس جب بلخ پہنچا تو اس کے باہر خیمہ زن ہوا اور نوشاد کو لوٹا اور اُجاڑا، اور یہ عمارتیں تھیں جن کو داؤد بن عباس بن ماہجور نے بلخ سے باہر بنوایا تھا۔ پھر یعقوب بلخ سے کابل کی طرف پھرا اور اس پر غلبہ حاصل کر لیا ......]

یہ کلمہ ابن الاثیر طبع مصر میں دال مہملہ سے اور طبع لیدن ہالینڈ میں ذال معجمہ سے چھپا ہے، انساب سمعانی (۱/۵۷ الف) میں یہ عبارت مسطور ہے :

" النوساری (کذا بالسین مہملہ) : "م دال و فتح سین، در آخر را، یہ منسوب ہے نوشار (کذا بالشین معجمہ) کی طرف، اور یہ ایک قریہ ہے بلخ میں یا محل ہے بلخ میں جنھیں امیر داود بن عباس نوساری نے بنوایا، کہا جاتا ہے کہ جب یعقوب بن لیث بلخ پہنچا تو داود بن عباس سمرقند کی طرف بھاگ گیا، اور جب یعقوب وہاں سے پھرا تو داود اپنے وطن لوٹا تو اس نے دیکھا کہ نوسار کے محل توڑ ڈالے گئے ہیں، تو اس نے یہ اشعار لکھے اور غم سے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو ستر دن کے بعد فوت ہو گیا :

هیهات یا داود لم تر مثلها
سیریک فی وضح النهار نجوما

(افسوس اے داود! تو نے نوشاد کی نظیر کہیں اور نہ دیکھی ہو گی، وہ دن کے اجالے میں چمکتا ہوا ستارہ دکھائی دیتا ہے)

فکانما نوشار قاع صفصف
یدعو صداء بجانبه البوما

(گویا نوشار (= نوشاد) اُجڑ کر ہموار میدان ہو چکا ہے، وہاں جو صدا گونجتی ہے وہ الو کو اس طرف پکار رہی ہے)

لا تفرحن بدعوة خولتها
و زوالها قد قارب الحلقوما

(خوش آواز پرندے اس دعوت پر خوش نہ ہو، اس لیے کہ اس کا زوال حلقوم تک پہنچ چکا ہے)

اور زین الاخبار ص ۱۱ میں مؤلف کہتا ہے:

یعقوب لیث نے بامیان لے لیا سنہ ۲۵۶ میں اور نوشاد بلخ کو ویران کیا اور وہ عمارتیں جو داود بن عباس بن ہاشم بن ماہجور نے بنوائی تھیں سب کو اُجاڑ ڈالا، وہ وہاں سے لوٹا اور کابل آیا۔

جیسا کہ ملاحظہ ہو رہا ہے ان نشانیوں سے جو ابن الاثیر، سمعانی اور گردیزی پیش کر رہے ہیں کہ (۱) نوشاد (نوسار یا نوشار) بلخ کے نواح میں تھا۔ (۲) یہ وہاں کی عمارتیں داود بن عباس بن بابجور (ماہجور) کی بنوائی ہوئی تھیں۔ (۳) یعقوب نے انھیں اُجاڑا۔ بلاشبہ ان تینوں کا ایک ہی مآخذ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس مقام (نوشاد) کے املا میں کاتبوں کی وجہ سے باہم اختلاف پایا جاتا ہے، یعنی ابن الاثیر اور گردیزی کے یہاں نوشاد یا نوشاذ ہے، اور سمعانی کے یہاں ایک دو مرتبہ نوسار اور ایک دو مرتبہ نوشار ہے، ابن الاثیر اور گردیزی کی اتفاق رائے کی بنا پر نوسار یا نوشار پر نوشاد کو ترجیح حاصل ہے البتہ انساب میں کبھی سین مہملہ سے لکھا گیا تو یہ یقیناً کاتب کی تصحیف ہے، سین پر شین کی ترجیح ابن الاثیر اور گردیزی سے بھی ثابت ہے، اگرچہ یاقوت نے سمعانی کے تتبع میں نوشاد کے بجائے نوشار درج کیا تو یہ غلطی بھی سمعانی کی ہے، یاقوت کی نہیں، یاقوت نے تو بغیر سوچے سمعانی کی نقل کرلی ہے، اور اس کے یہاں بھی نوسار کے بجائے نوشار ہی ہے۔

میرزا محمد قزوینی سوال اُٹھاتے ہیں کہ آیا نوشاد جو تاریخ ابن اثیر، انساب سمعانی، معجم البلدان اور زین الاخبار کی رُو سے داود بن العباس کے بنائی ہوئی عمارتوں اور محلوں کا مقام تھا اور وہ نوشاد جو فارسی شعرا کے یہاں حُسن خیز شہر و خوبرویوں کا مسکن قرار دیا گیا ہے، ایک ہی ہیں یا دو مختلف مقامات، بہت قوی احتمال ہے کہ نوشاد ایک بہت عالی شہر تھا جس میں خوبصورت نقش و نگار تھے، شعرا نے انھیں

لہ تصحیح عبدالحی حبیبی طبع تہران ۱۳۴۷ شمسی۔

ابتدا میں نگارخانۂ چین کی طرح وہاں کے نقش و نگاروں اور تصویروں کو (یا شاید مجسموں بعتوں) کی خوبصورتی اور دلکشی کی تعریف کی، بعد ازاں یعقوب لیث کے ہاتھوں ان کے اُجڑ جانے کے بعد سوائے ان کی ہلکی سی یاد کے شعرائے متاخران کی واقعیت سے بالکل بے خبر رہے، ... رفتہ رفتہ یہ خیال یعنی یہ کہ نوشاد ایک حسن خیز شہر کا نام ہے جہاں کے لوگ حسین ہوتے ہیں، قوت پکڑ گیا اور تدریجاً اصلی معنی و مفہوم نسیاً منسیا ہو گیا یہی وجہ ہے کہ صاحب فرہنگ انجمن آرا نے یغما، چگل، ختن اور ترکستان کے سارے شہر کے قیاس پر جہاں کے خوبرویوں کی تعریف میں شعرا نے شعر لکھے ہیں، نوشاد کو ترکستان کا ایک شہر قرار دیا ہے۔ علامۂ قزوینی مزید رقم طراز ہیں کہ آقای مجتبیٰ مینوی نے مجھے جو خط لندن سے لکھا اور جو مجھے ۲۶ر نومبر ۱۹۳۷ء کو پیرس میں ملا، اس سے معلوم ہوا کہ فضائل بلخ میں (طبع شفر قطعات منتخبۂ فارسی ج ا ص ۷۲) نوشاد کا ذکر ہے اور اس میں کچھ نئی معلومات ہیں یعنی یہ کہ داود بن عباس بیس سال تک نوشاد کی بنا میں مصروف رہا اور بلخ کے والی کے منصب پر سرفراز ہونے کی تاریخ یعنی ۲۲۳ھ بھی دے دی ہے ...

.... (مجلہ یادگار ۴: ۹-۱۰، ص ۲۰-۲۷، نقل باختصار)۔

تفصیلاتِ بالا سے واضح ہے کہ نوشاد جس کو شعرا حسن خیز شہر قرار دیتے ہیں اور جو مورخوں کے نزدیک بلخ میں تھا اور جس کو داود بن عباس فرمانروائے بلخ نے بیس سال میں تیار کرایا تھا، دونوں ایک ہی ہیں، یعنی شعرا نوشاد بلخ ہی کو خلخ، چگل، فرخار اور دوسرے ترکستان کے شہروں کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

داود بن عباس کے سلسلے میں چند باتیں عرض کرنی کی ہیں۔

۱۔ وہ ۲۲۳ میں بلخ کا حکمراں مقرر ہوا، اور ۲۵۶ یا ۲۵۸ کے کچھ بعد تک اس عہدے پر رہا۔

۲۔ نوشاد کی تعمیر ۲۲۳ھ[1] کے کچھ بعد شروع ہوئی ہوگی، اور ۲۵۲ھ کے بعد ۲۰ سال

---

[1] فضائل بلخ، تصحیح عبدالحئی حبیبی طبع تہران ص ۲۰۔

کی کوشش میں تیار ہوئی ہوگی۔

۳۔ یعقوب لیث کا حملہ گردیزی[1] کے بقول ۲۵۶ھ میں ہوا، لیکن تاریخ سیستان[2] میں یہ حملہ ۲۵۸ھ میں ہوا۔

۴۔ واضح ہے کہ داود کی وفات بظن غالب ۲۵۸ھ کے بعد ہوئی ہوگی۔

۵۔ بلخ بغداد کے عباسی خلیفہ کے زیر فرمان تھا، اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ یہ واقعہ بلخ کی جامع مسجد سے تعلق رکھتا ہے، اس مسجد کی تعمیر تو پہلے ہو چکی تھی لیکن ۲۴۵ھ میں اس کی مرمت اور اس میں توسیع ہوئی۔ یہ واقعہ فضائل بلخ میں دو جگہ ہے، پہلی جگہ پر[3] یہ بیان ہے:

ذوالقعدہ سنہ ۲۲۳ھ میں داؤد[4] عباس والیٔ بلخ مقرر ہوا، بیس سال نوشاد کی تعمیر میں مصروف رہا، جب وفات ہوئی تو کوی عبدالاعلیٰ میں اسے دفن کیا گیا، اور آج اس کی قبر ظاہر ہے اور اجابت دعا و دفع ظلم کے لیے مخصوص ہے، سنہ ۲۴۵ھ میں جامع مسجد میں اضافہ ہوا، جب امیر نوشاد کی تعمیر میں مشغول تھا، تو شہر میں اپنی بیوی خاتونِ داود کو اپنا قائم مقام بنا رکھا تھا، خاتونِ حارہ نے خزانے سے ایک کپڑا (جامہ) جو قیمتی اور نفیس جواہر سے مرصع تھا منگوایا اور خلیفہ کی خدمت میں بھیجا، جب خلیفہ کو صورتِ حال بتائی گئی تو بولا کہ اس خاتون نے مجھے سخاوت (جواں مردی) کی تعلیم دی ہے، اس نے (پیراہن واپس کر دیا)، اسی پیراہن کی قیمت جامع مسجد اور شہر کی نہر پر صرف کی گئی، عمارت اور خانۂ رستاقی (طرز) مکمل ہوا اور کرتے کی آستین اور شاخ باقی رہ گئی۔ دوبارہ[5] اسی کتاب میں آیا ہے:

---

[1] زین الاخبار طبع تہران ص ۱۳۹

[2] تصحیح ملک الشعرا بہار، طبع تہران ص ۲۱۶ - ۲۱۷

[3] فضائل بلخ ص ۲۰ - ۲۱

[4] اضافت ابنی ہے یعنی داود بن عباس۔ [5] ص ۲۹۔

(طلحہ بن طاہر) کے بعد عباس بن ہاشم سنہ ۲۱۹ھ میں والی بلخ ہوا، ۱۴ سال وہ حاکم رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا داود[1] بن عباس ذوالقعدہ ۲۳۳ھ میں وہاں کا فرمانروا ہوا، داود تقریباً بیس سال نوشاد کی تعمیر میں مصروف رہا۔ اس کے بعد وفات پائی اور کو عبدالاعلیٰ میں دفن ہوا، اس کی قبر کا نشان موجود ہے جو اجابت دعا اور دفع ظلم کے لیے پُرتاثیر ہے۔ کہتے ہیں سنہ ۲۴۵ھ میں جامع مسجد میں اضافہ کرایا، بعض مورخ کہتے ہیں کہ دارالخلافہ سے واجبات سے زیادہ خراج طلب[2] کیا گیا، خاتونِ داود (اللہ اس پر رحم کرے) نے خود اپنا لباس عامل کے ہاتھ دارالخلافہ بھجوایا، کہتے ہیں کہ وہ لباس خود اس کا کرتہ تھا تاکہ رعیّت سے فصل سے پہلے خراج نہ طلب کریں، جب عامل اس پیراہن کے ساتھ دارالخلافہ پہنچا اور سارا قصّہ خلیفہ کو سنایا تو خلیفہ نے متاثر ہو کر اس سال کا خراج معاف کر دیا اور اس لباس کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ اس خاتون نے مجھے جواں مردی اور سخاوت سکھائی ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اس کا لباس میں لے لوں، جب وہ پیراہن واپس آیا تو خاتونِ داود نے کہا میں نے اس لباس کو مسلمانوں اور بلخ کے باشندوں کو دے دیا ہے، اسے واپس نہ لوں گی اس پیراہن (کی قیمت) کو مسجد جامع اور شہر کی نہر کی تعمیر میں صرف کر دیا اور آستین اور شاخ جامہ باقی رہ گیا تھا۔

یہ امر قابلِ تذکرہ ہے کہ اوپر جن مآخذ کا ذکر ہے، ان میں کوئی نیا نہیں ہے، البتہ یہ

---

[1] زین الاخبار ص ۱۳۹ میں اس کا پورا نام داود بن العباس بن فاہجور ہے؛ ابن الاثیر میں ماہجور کے بجائے باہجور ہے، لیکن بظن قوی صحیح صورت بانیجور ہے (رک زین الاخبار ص ۱۳۹ ح ۱۳)۔

[2] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلخ خلیفہ کے زیرِ فرمان تھا۔ داود حسب ذیل خلفائے عباسیہ کا معاصر تھا۔ المتوکل ۲۳۲-۲۴۷، المنتصر ۲۴۷-۲۴۸، المستعین ۲۴۸-۲۵۱، معتز ۲۵۱-۲۵۵ اور معتمد ۲۵۶-۲۷۱، پیراہن بھیجنے کا واقعہ متوکل کے زمانے کا ہے اس لیے جامع مسجد جس کی تعمیر ۲۴۵ھ کی ہے، اور واقعہ اس تاریخ سے پہلے کا ہوگا۔

امر واقعہ ہے کہ اب تک کسی مصنّف نے فضائل بلخ کے مندرجات پر اتنی گفتگو نہیں کی تھی، نہ پروفیسر معین نے اور نہ علامہ محمد قزوینی کی نظر سے یہ کتاب گذری تھی ۔فضائل بلخ کے علاوہ دو نئے ملفذ کا ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ گو ان میں کوئی اہم نئی بات نہیں، تاریخ سیستان (ص ۲۱۶ - ۲۱۷) میں یعقوب لیث کے حملۂ بلخ کا ذکر ہے لیکن اس کے بیان سے یہ مترشح ہے کہ یہ حملہ ۲۵۸ھ کے قریب میں ہوا تھا۔ اس سلسلے کی کچھ تفصیل پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

۱- یعقوب لیث نے کرمان پر حملہ کیا تو معتمد خلیفہ کو ہدایا کے ساتھ ۵۰ سونے کے بُت بھیجے تھے۔ جو کابل سے لائے گئے تھے۔

۲- پھر یعقوب پارس گیا، محرّم ۲۵۸ھ

۳- پھر کابل کی طرف گیا ۲۴ صفر ۲۵۸ھ

۴- پھر زابلستان کی جنگ میں شریک ہوا۔

۵- پھر بامیان کی راہ سے بلخ پہنچا۔

۶- بلخ فتح کر کے محمد بن بشیر کو وہاں کا والی مقرّر کیا

بلخ کے سلسلے میں لکھا ہے:

بامیان[2] کی راہ پر بلخ آیا اور بلخ کا حاکم داود بن العباس تھا، جب اس نے یعقوب کے آنے کی خبر سُنی تو بھاگ گیا، شہر اور قلعہ کے اندر لوگ حصار بند ہو گئے۔ یعقوب بلخ میں داخل ہوا اور پہلے ہی حملے میں بلخ کو لے لیا، اور لشکر کے ہاتھوں بہت زیادہ آدمی قتل ہوئے۔ لشکر نے بڑی غارت گری کی، یعقوب نے محمد بن بشیر کو بلخ کا خلیفہ بنایا اور ہرات کی طرف لوٹا۔

---

[1] تاریخ سیستان ص ۲۱۶۔

[2] بامیان اس وقت افغانستان میں ہے، یہ قدیم تاریخی شہر ہے جس میں بودھ مذہب کے بیش قیمت آثار موجود ہیں۔

گویا یعقوب صفار کا حملہ تاریخِ سیستان کی رو سے ۲۵۸ھ میں ہوا، اس وقت بغداد کا خلیفہ معتمد تھا جس کا دورِ خلافت ۲۵۶ تا ۲۷۱ھ رہا ہے۔

ایک اور قابلِ ذکر ماخذ رحلۂ ابن بطوطہ ہے، اس میں نوشاد کی تعمیر کے سلسلے میں تو کوئی بات نہیں ہے، البتہ خاتونِ داود کے مال سے بلخ کی جامع مسجد کی تعمیر کے بارے میں کسی قدر مختلف روایت ملتی ہے جس کا اعادہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ یہ ہے:

"ایک تاریخ دان نے مجھے بتایا کہ بلخ کی مسجد کو ایک عورت نے بنوایا، اس کا شوہر بنی عباس کے زمانے میں اس شہر کا امیر تھا، اس کا نام داود بن علی[1] تھا، اس واقعے کی تفصیل اس طرح ہے کہ خلیفہ کسی بات سے اہلِ بلخ سے ناراض ہوگیا اور وہاں کے لوگوں پر تاوان عاید کرایا، خلیفہ کا عامل جب بلخ پہنچا تو بلخ کے بچے اور عورتیں امیر کی بیوی کے پاس گئے اور تاوان عاید کرنے کی شکایت کی، اس خاتون نے اپنا لباس جو بیش قیمت جواہرات سے آراستہ تھا اور جس کی قیمت تاوان کی رقم سے زیادہ تھی، خلیفہ کے فرستادہ کے پاس بھجوائی اور کہلوایا کہ اس لباس کو خلیفہ کے پاس لے جاکر میں نے یہ لباس بلخ کے لوگوں کی غریبی اور لاچاری کے پیشِ نظر ان کے لیے بخش دیا، جب خلیفہ اس حقیقت سے باخبر ہوا تو شرمندہ ہوا اور کہا کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک عورت خلیفہ سے زیادہ سخی ہو اور حکم دیا کہ اہلِ بلخ عاید کردہ تاوان سے معاف کیے گئے۔ اور لباس اس خاتون کو لوٹا دیا، اور ایک سال کا خراج بھی معاف کر دیا۔

جب وہ لباس خاتون کے پاس آیا تو اس نے پوچھا کہ اس پر خلیفہ کی نظر پڑی ہے یا نہیں، جب اس کو معلوم ہوا کہ خلیفہ کی نظر اس پر پڑی ہے تو اس نے کہا کہ جس لباس پر نامحرم کی نظر پڑی ہے وہ میں نہ پہنوں گی، اور کہا کہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت

---

[1] یہ غلط ہے، داود بن عباس بن ہاشم بن بانیجور تھا۔

سے مسجد زاویہ اور (اس کے سامنے کی) رباط بنائیں، یہ مسجد سنگ کذال سے بنی ہے اور رباط اس وقت تک (ابن بطوطہ کے عہد تک) آباد ہے، کہتے ہیں کپڑے کی قیمت اتنی تھی کہ مسجد کی تعمیر کے بعد یک تہائی رقم باقی رہ گئی اور اسے مسجد کے ایک ستون کے نیچے دفن کر دیا تاکہ جب آئندہ مسجد کی مرمت کی ضرورت ہو تو اس رقم سے استفادہ ہو، اسی وجہ سے چنگیز نے ایک تہائی مسجد کھود ڈالی، جب اسے کوئی چیز نہ ملی تو مسجد کی تخریب کا ارادہ بدل دیا۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ، ترجمہ فارسی، طبع تہران ۱۳۶۱ شمسی، ج ۱ ص ۴۳۱ - ۴۳۲)۔

اگرچہ ابن بطوطہ کا بیان فضائل بلخ کے مؤلف کے بیان سے جو پہلے درج ہو چکا ہے، کافی مختلف ہے لیکن بنیادی امور دونوں میں مشترک ہیں، مسجد کی تعمیر خاتون داود کی فیاضی کا نتیجہ ہے۔

۲۔ دونوں ماخذ میں خاتون کے لباس کا ذکر ہے جو قیمتی جواہرات سے مزین تھا۔

۳۔ دونوں ماخذوں میں ہے کہ لباس اتنا گراں قیمت تھا کہ مسجد کی تعمیر اس سے ہوئی اور کافی رقم باقی رہ گئی۔

بطور خلاصہ عرض یہ ہے کہ مجھے احساس ہے کہ نوشاد پر میری گفتگو کچھ طویل ہو گئی ہے، مگر اس کے جواز کی ایک معقول وجہ یہ ہے کہ اس کا بانی داود بن عباس تھا جس کے بارے میں زیادہ معلومات تو نہیں البتہ اس کی سخی بیوی کی سخاوت تاریخی حیثیت کی حامل ہے، جو کافی دلچسپ ہے لیکن عوام کا کیا ذکر خواص کو بھی اس کا علم نہیں۔

ایک بات جو بطور نتیجے کے کہی جا سکتی ہے کہ غالب کا کلام ایسے تاریخی و ادبی امور کا حامل ہے جن کی تشریح و توضیح بڑے عمیق مطالعے کی متقاضی ہے، ایران و اسلام کی تاریخ سے واقفیت کے بغیر غالب کے اشعار کی تعبیر بے معنی رہے گی۔ جو لوگ غالب کو محدود نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں وہ غالب کی عظمت کی شناخت سے کوسوں دور ہیں۔

دستنبو اور دساتیر

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن
این مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن
کوکبم را در عدم اوج قبولی بودہ است
شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

غالب کی پیش گوئی تھی کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، ان کی شاعری کی شہرت بڑھتی جائے گی اور سارے عالم میں پھیل جائے گی۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی، اب ان کے کلام کی شہرت ایشیائی ممالک سے بڑھ کر یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکی ہے۔ اور غالب نے جس دل نشیں اور شاعرانہ انداز میں یہ پیشین گوئی کی تھی وہ بھی داد طلب ہے، ان کی شعر و شاعری شراب ہے جو اپنے زمانہ میں خریدار نہ پیدا کر سکی، یہ شراب پڑی رہی، پرانی ہو گئی تو اس کے دام بڑھ گئے۔

غالب وہ خوش نصیب شاعر ہیں جن کے کلام کا جتنا مطالعہ ہوا ہے (سوائے اقبال کے) شاید ہی کسی اور شاعر یا ادیب کا اتنا مطالعہ ہوا ہو، اور حق تو یہ ہے کہ اس اعتبار سے فارسی، اردو، عربی یا ترکی کا کوئی شاعر ان کا سہیم و شریک نہیں۔ لیکن باوجود کثیر مطالعے کے ان کی زندگی کے بعض پہلو دانشوروں کی توجہ کے محتاج ہیں۔ یہ بات عام ہے کہ ان کے کلام میں جو تنوع ہے وہ کسی شاعر یا ادیب کے کلام میں نہیں ملتا۔ وہ محض

شاعر و ادیب نہ تھے، زبان و ادب و تاریخ کے عالم تھے۔ اُن کے اردو خطوط ایک طرف تو اردو ادب کے بہترین نمائندہ تو دوسری طرف علم و فن کے قابل وصف مظہر۔ انھوں نے اپنے مکاتیب میں سیکڑوں علمی، ادبی، شعری، فنی، تاریخی، سیاسی امور پر بحث کی ہے اور میرے خیال میں اُن کے کلام کا یہ رُخ جو درحقیقت ایک دائرۃ المعارف کی وسعت اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں، بالکل اچھوتا ہے۔ اُن کی اکثر تصانیف میں اُن کا سیاسی شعور کافی بیدار نظر آتا ہے، وہ تاریخ و تہذیب کے محرکات سے آشنا معلوم ہوتے ہیں، اُن کا کلام اس دور کی سیاسی و تہذیبی امور کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی انھوں نے خوب خوب طبع آزمائی کی ہے، نظم و نثر دونوں میں اُن کے ضخیم کلیات موجود ہیں وہ بھی سیر حاصل مطالعے کا تقاضا رکھتے ہیں۔ بلاشبہ اُن کے اردو شعر کا خاصا عمیق مطالعہ ہو چکا ہے، لیکن اُن میں بھی اُن کی تہ دار شخصیت کے بعض پہلو ایسے ہیں جو مطالعے کی دعوت دیتے ہیں:

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

غالب کے یہاں بعض تحریکوں کی طرف اشارے ملتے ہیں، انھیں میں ایک دساتیری تحریک ہے، اس سے وہ خاصے متاثر نظر آتے ہیں، لیکن باوجود اس تحریک کی طرف واضح اشارے کے، یہ امر غالب شناسوں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکا، یہ تحریک بڑی پُر فریب لیکن پُر کشش تھی، دساتیر ایک مجموعۂ صحائف کی شکل میں منظر وجود پر آئی جس کے مطالب کا سراغ کہیں نہیں ملتا اور جس کی زبان کا رشتہ دنیا کی کسی زبان سے نہیں قائم ہوتا، یہ ہر زبان سے الگ، جس کو نہ کسی نے سنا اور نہ جانا، لیکن سیکڑوں ایرانی اور ہندوستانی شاعر و ادیب اس کے فریب میں آئے اور اس کے مطالب اور اس کی زبان کا اثر قبول کیا، دساتیر کی زبان عربی اثرات سے یکسر پاک تھی، اس کے اکثر و بیشتر الفاظ فارسی سرہ کے جھبے ہیں اس وجہ سے فارسی خالص کے شیدائیوں کے لیے اس کتاب میں بڑی کشش تھی، غالب فارسی سرہ کے پرستار تھے، اس بنا پر اُن کا دساتیر سے متاثر ہونا قدرتی امر تھا۔

غالبؔ کے کلام نظم و نثر (اردو و فارسی) پر دساتیر کا خاصا اثر موجود ہے، کسی پر کم کسی پر زیادہ، راقم نے اُن کے بعض کلام میں دساتیری الفاظ کی نشاندہی کی ہے، آج کی صحبت میں دساتیر کے مختصر تعارف کے بعد اُن کی فارسی تصنیف "دستنبو" میں دساتیری الفاظ کی نشاندہی کی جائے گی۔

غالبؔ نے دستنبو کے خاتمے پر یہ رباعی لکھی ہے:

زینسان کہ ہمیشہ در روانی مائیم　　سرچشمہ راز آسمانی مائیم
لختی ز دساتیر بود نامۂ ما　　ساسان ششم بہ کاردانی مائیم

(ہم راز آسمانی کے سرچشمہ ہیں، اسی وجہ سے ہم ہمیشہ رواں دواں ہیں، ہماری یہ کتاب دساتیر کا ایک جز ہے، اور کاردانی کے اعتبار سے گویا ہم ساسان ششم ہیں)۔

دستنبو مرزا غالبؔ کی فارسی نثر میں ایک کتاب ہے جو پندرہ ماہ کے واقعات پر (مئی ۵۷ تا جولائی ۵۸) مشتمل ہے، جیسا کہ خود غالبؔ نے اپنے کئی خط میں لکھا ہے:

"میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے سی و یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک روئداد شہر یعنی پندرہ مہینے کا حال نثر میں لکھا ہے۔"

(تفتہ، ۱۷ اگست ۱۸۵۸ء)

"مئی کی گیارہویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا حال میں نے لکھا ہے۔"

(یوسف علی خاں عزیز، ۱۸۵۹ء)

دستنبو کی زبان کے بارے میں غالبؔ نے کئی جگہ لکھا ہے:

"فارسی بے آمیزش لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی وہ بھی وہ فارسی قدیم جس کا اب پارس کے بلاد میں نشان نہیں رہا تا بہ ہندوستان چہ رسد۔"

(۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء)

"التزام اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی

جائے اور کوئی لفظ عربی کا نہ آئے، جو نظم[1] اس نثر میں درج ہے
وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے ہاں اشخاص کے نام نہیں بدلے
جاتے وہ عربی، انگریزی، ہندی جو ہیں، وہ لکھ دیے ہیں۔"
(منشی ہرگوپال تفتہ ۷ ار اگست ۱۸۵۸ء)

"بطریق مالا یلزم[2] اس کا التزام کیا ہے کہ بہ زبان فارسی قدیم جو دساتیر
کی زبان ہے اس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اسما کے کہ
وہ بدلے نہیں جاتے کوئی لغت عربی اس میں نہ آوے۔"
(چودھری عبدالغفور سرور ۱۸۵۸ء)

دستنبو میں خالص فارسی کے الفاظ آئے ہیں ان کو چار قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ عام فارسی لفظ و فقرے جیسے نام، خداوند، توانا، اختر، دانا، مہر، رواں، تن، کار، دشوار، سست، استوار، کشش، کوشش، کالبد، باہم، ستیزندہ، بہم، فرماندہی، فرمانبری وغیرہ۔

۲۔ بڑی تعداد میں ایسے الفاظ و فقرات ہیں جو غالب کے دور میں کم مستعمل تھے۔ جیسے افزار، گرائش، درایش، ستان، دردا، زادور، زادش، چرگر، برستوک، دژم، خرچنگ، شکوی، نژند، آہو (عیب)، پلارک، ایواد، باختر، ناورد، پروار، بادافراہ، اشتلم، پتیارہ، ناپسودہ، ناگرفت، گرزن، ریمن، چغتہ، نیاگان، نیا جنبر، کالیوہ، کالیوگی،

۱۔ بلاشبہ متن میں جو نظم ہے وہ فارسی "سرہ" میں ہے اس میں کوئی لفظ عربی کا نہیں، لیکن اس کے ساتھ جو قصیدہ ملکۂ وکٹوریہ کی تعریف میں منظوم ہوا اس میں عربی الفاظ و فقرات کافی پائے جاتے ہیں۔ عنوان قصیدہ میں ملکۂ معظمۂ انگلستان کے لیے "خلد اللہ ملکۂ بالعدل والاحسان" ہے، ملکہ کے بجائے ملکہا ہونا چاہیے۔

۲۔ لزوم مالا یلزم ایک صنعت کا نام ہے جس میں شاعر بعض ایسے امور کا پابند ہو جاتا ہے جو زبان و بیان کے تقاضے سے الگ ہو، مثلاً پوری نظم میں چند الفاظ کی تکرار مصرعے یا شعر میں یا ایسے لفظوں کا استعمال جس میں کوئی حرف محذوف ہو، "حذف الالف" وغیرہ۔

کاچال، کاریا، کنارنگ، پساوند (قافیہ)، پیوند (ردیف) شارستان، پاساد، پیغولہ، کازہ، گومہ، نواخانہ وغیرہ ۔ فارسی میں متعدد ایسی فرہنگیں موجود ہیں جن میں صرف فارسی سرہ ہی کے الفاظ مندرج ہیں، ان میں مفت فرس، فرہنگ قواس، صحاح الفرس، لسان الشعرا، زفان گویا، فرہنگ جہانگیری، فرہنگ سروری، سرمۂ سلیمانی، فرہنگ جعفری، برہان قاطع وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ "دستنبوہ" کے الفاظ ان فرہنگوں میں شامل ہیں، اگرچہ مشکل ہے کہ غالب نے فرہنگوں سے لفظ منتخب کیے ہوں، بہر حال ان میں سے بیشتر الفاظ ترجمہ دساتیر میں موجود ہیں، اور بظن قوی غالب نے وہیں سے لیے ہیں، کچھ الفاظ قدیم شاعروں سے لے لیے ہوں گے۔

۳۔ بعض مرکب الفاظ وترکیب ان کے خود ساختہ ہیں، کچھ ایسے بھی ہوں گے جو دوسرے معاصرین کے کلام میں خال خال مل جائیں گے، کچھ ترجمۂ دساتیر میں بھی ہوں گے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں: مہ ومہر ساز، شب وروز گر، نہ سپہر فراز، ہفت اختر فروز، روان[1] با تن آمیز، دانش و[2] داد آموز، بہم آمیزندہ، چنبر داد، جدا شناس، کردار گزاری، چارسو (چوک)، بیمارستان، ماہ گرفتن، سوگیر (طرفدار)، ناپسودہ (اچھوتا)، گورگاہ، دادستا، ستم نکوہ، برآورد (تخرجہ) وغیرہ۔

۴۔ دساتیری الفاظ، یہی آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔

دساتیر ایک جعلی کتاب ہے، اس کے مندرجات جعلی اور زبان مصنوعی، تمام محققین کی رائے ہے کہ یہ سولھویں صدی میں آذر کیوانی فرقے کے لوگوں کی مرتب کی ہوئی ہے، یہ سولہ کتابوں کا مجموعہ ہے جو سولہ پیغمبروں پر نازل ہوئیں، یہ کتابیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ نامۂ اوّل بفرز آباد وخشوران وخشور، کل جملے (چمراس) ۱۷۰، ان میں شروع کے چند یہ ہیں[3]:

۱۔ پناہیم بہ یزداں، از منش وخوی بدوزشت گمراہ کنندہ وبراہ ناخوب برندہ رنج

---

[1] اسم فاعل کے دو ٹکڑوں کے الگ ہونے کی مثال۔
[2] اگر داد ودانش آموز روزمرہ سے زیادہ قریب ہے۔
[3] تین جملے سب کتابوں میں مشترک ہیں۔

دہندہ آزار رسانندہ۔

۲۔ بنام ایزد بخشایندہ و بخشایش گر۔

۳۔ بنام یزدان۔

۴۔ بن بود ایزد نتوان دانست چنانکہ ہست جز او کہ یارد۔

۵۔ ہستی و یکتائی و کسی سراسر فروزہا ارو ندگو ہر اوست و از و بیرون نیست۔

۶۔ جز آغاز و انجام و انباز و دشمن و مانند و یار و پدر و مادر و زن و فرزند و جای و سوی و تن و تن آسا و تنانی و رنگ و بو است۔

۷۔ زندہ و توانا و بی نیاز و دادگر و بر شنودن و دیدن و بودن آگاہ است۔

۸۔ و ہستی نزد دانش او یکبار بی دمان و ہنگام پیداست و برو ہیچ چیز پوشیدہ نیست۔

نامۂ شت جی افرام ۸۸ چمراس پر مشتمل ہے، تین ابتدائی مشترک جملوں کو چھوڑ کر چند جملے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۴۔ سپاس خدای را کہ نخست از و گیتی پدید آورد پس ستان را۔

۵۔ نگر و بین ای جی افرام پور آباد آزاد کہ چگونہ بہ پدمان یزدان تن سالار و تنبند و تنانتن و تنتن و تہمتن کہ ہمین چرخ باشد ہم تنان را در درونہ گرفتہ ہمیشہ میگردد۔

۱۷۔ گفتم کہ نخستین آباد را گزیدم و پس از وسیزدہ پیغمبر آباد نام بی ہم فرستادم، یکی پس دیگری پیغمبری آراشد۔

۱۸۔ باین چہاردہ پیغمبر جہان آراستہ و آرام یاب شد۔

۲۰۔ چون صدزاد[1] سال در پادشاہی ایشان را رفت آباد آزاد بادشاہ جہانداری گذاشتہ یزدان پرست شد۔

نامۂ سوم شت شای کلیو ۸۰ چمراس

---

[1] ساسان پنجم کی تشریح کے مطابق صدزاد کی مدت اس طرح پر ہے: ۱۰۰۰×۱۰۰ = فرد، ۲۰۰۰×فرد = ورد، ۱۰۰۰×ورد = مرد، ۱۰۰۰×مرد = جاد، ۳۰۰۰×جاد = زاد، ۱۰×زاد = مدتِ حکومت مہ آبادیان۔

۴۔ ای شای کلیو پور جی آلاد چون آب و پرمان روائی جیان بیک اسپار[1] سال کشید مردمان بزہ کار شدند، جی آلاد از ایشان بیرون رفت۔

۵۔ اکنون ترا گزیدم و بہ پیغمبری فرستادم ستایش کن مرا چنین۔

۶۔ بنام ایزد دہندہ روزی امرزندہ۔

نامہ شت وخشور یاسان ۶۳ چمراس

۴۔ بدان ای یاسان پور شائی مہبول چون یک شمار سال از خسروی و پرمان دہی شایان گزرید پدر تو کہ شائی مہبول باشد بدکاری مردمان دید و از میان مردم بیرون شد۔

۵۔ اکنوم ترا برگزیدم بہ پیغمبری، برخیز و کیش بزرگ آباد را شیدہ و ستایش کن مرا۔

نامۂ وخشورِ گلشاہ چمراس ۳۷ (ص ۷۵ ـ ۸۰)

۴۔ ای فرزنیسار پور یاسان اجام چون نود و نہ سلام از خداوندی یاسانیان رفت مردمان بدکار شدند یاسان اجام از میان للسان کہ مردم باشند کنار گرفت۔

۶۔ ترا بہ پیغمبری و باشاہی گزیدم آئین پیغمبر پیغمبران بزرگ آباد را زندہ ساز۔

۹۔ ترا پاکش در دیزش و بر تو درود و آفرین۔

نامۂ شت وخشور سیامک ۴۹ (ص ۸۰ ـ ۸۳)

۴۔ ای سیامک پور گلشاہ تو پیغمبر نزدیک منی شای ہرمزد را چینن۔

۸۔ ای شگرف بزرگ ستودہ برجیس سپہر۔

نامۂ شت وخشور ہوشنگ ۳۷ (ص ۸۴ ـ ۸۶)

۴۔ ای ہوشنگ پور سیامک گزیدہ پیغمبر منی و ترا دانش و فرزانگی دادم

۵۔ تو آموزگار پیغمبرانی کہ آیند۔

۶۔ آئین بزرگ آباد را تازہ دار۔

۷۔ دلبستای بہرام را کہ یاور تست این گونہ۔

[1] ۱۰۰ × ۱۰۰۰ = سلام؛ ۱۰۰ × سلام = سمارہ، ۱۰ × سمارہ = اسپار۔

نامۂ وخشور تہمورس ۵۲ (ص ۸۶-۹۲)

۴- ای وخشورمن تہمورس پور ہوشنگ آئین بزرگ آبادرا استوار کن۔

۵- آفتاب یاور تست اوراکہ خورشید باشد پرمودم کہ ترا ہرزید دہد پس ستای اورا این گونہ۔

نامۂ شت وخشور جمشید ۹۳ (ص ۹۲-۱۰۴)

۴- ای جمشید پور تہمورس ترا بگزیدم۔ آئین بزرگ آبادرا استوار و پایدار کن۔

۵- تو پیغمبر ہستی بسیار بزرگ۔

۶- شید من بر روی تست۔

نامۂ شت وخشور فریدون ۴۸ (ص ۱۰۴-۱۰۷)

۴- ای فریدون بر مردمان وجانوران بی ازار بخشیدم واز گناہ ایشان گذشتم و تراکہ دوست منی بہ پیغبری گزیدم و جہان را پرستندۂ تو کردم کہ ہمہ سر بفرمان تو نہادند وخسروی ترا بر خود گزیدند۔

۵- آئین بزرگ آبادرا زندہ کن۔

۶- سرود راکہ تا کنون کس ندانستہ ترا آموختم۔

نامۂ وخشور کیخسرو ۲۸ (۱۰۹-۱۱۲)

۴- ای وخشور من کیخسرو پور سیاوخش تو نزد من گرامی ہستی۔

۵- چشمکی دل تو از من جدا نیست۔

۶- روان فرشتہ است و پور فرشتہ است و چنین سروشی گرامی و بزرگ بتو خرد نام دادم۔

نامۂ شت وخشور زرتشت ۱۶۴ (ص ۱۱۳-۱۳۶)

۴- ای زرتشت پور اسفنتمان ترا بوخشوری گزیدم۔

۵- وسہ گونہ سخن خودرا بتو دادم۔

۶- یکی در خواب وآن وخشنامہ است

۷۔ دوم درمیان خواب وبیداری وآن فرہنگاخ است۔
۸۔ سوم در بیداری کہ از تن گسیختہ وبا فرشتہ از آسمانہا گذشتی۔

پند نامۂ اسکندر ۱۶ (ص ۱۳۶ – ۱۳۸)

۴۔ ای سکندر پورداراب یزدان ترا بپادشای وجہانگیری برداشت۔ آئین بزرگ آباد راکہ بزرگ ترین پیغمبران است۔ بسیار دانشوری آشکار کن۔
۵۔ من از چند کار ایرانیان کہ بد شد ترا بردم بردم۔
۶۔ بیگانہ بر ایران مگمار۔
۷۔ اگر از لشکر تو بر نیکان ایران آزاری رسید تپت کن۔

نامۂ شت ساسان نخست ۹۳ (ص ۱۳۸ – ۱۹۱)

۴۔ یاوری جویم از یزدان اروند گوہرنا پیوستہ کارکن فروزہا ہم گوہر۔
۵۔ کنندہ است بایستہ ہستی شایشتہ ہستی را۔
۶۔ یزدان نباشد جای نوہ۔
۷۔ ناپیوشتہ است یزدان۔

نامۂ شت پنجم ساسان ۴۱ (ص ۱۹۱ – ۱۹۴)

۴۔ ای پنجم ساسان۔
۵۔ اکنون ترا بہ پیغمبری گزیدم۔
۶۔ تو دوست منی وراہ راست پسوشان۔
۱۸۔ دیدی بدکاری ایرانیان راکہ پرویز را کشتند۔
۱۹۔ آنکس راکہ من برکشیدم اینہا بر انداختند۔
۲۳۔ اینک از تازیان پاداشس یابند۔
۳۹۔ در تخمۂ تو پیغمبری ہمیشہ ماند۔
۴۰۔ اندوہ مدار کہ انجام یزدان بخشد۔
۴۱۔ وانجام از بیم دہ شما در وندان گریزند چون موش از سوراخی بہ سوراخی۔

اس سلسلے میں چند امور کا ذکر ناگزیر سا ہے:

۱۔ دراصل جو عبارتیں مختلف کتابوں کے ضمن میں درج ہوئی ہیں وہ نہ دساتیر کے ترجمہ کی ہیں، اور جیسا کہ عرض ہو چکا ہے پنجم ساسان نے حکم خدائی کے مطابق اسے اپنے عہد کی زبان میں ترجمہ کیا تھا، یہ زبان فارسی ہے جس میں جا بجا خود ساختہ و مہمل لفظ داخل کر دیے گئے ہیں۔

۲۔ پنجم ساسان خسرو پرویز کے زمانے میں بتایا گیا ہے، خسرو پرویز ساسانی خاندان کا جلیل القدر فرمانروا تھا جس نے ۵۹۱ء سے ۶۲۸ء تک حکومت، ۶۲۸ء میں قید کر کے قتل کر دیا گیا، گویا عربوں کی شکست سے سال پہلے (جنگِ قادسیہ میں یزدگرد نے ۶۳۵ میں حضرت عمر کے سرداروں کے ہاتھ شکست کھائی اور ۶۵۱ میں ایک آسیابان نے مرغاب کے قریب اسے قتل کیا)، اور دساتیر کا ترجمہ اسلامی فارسی میں ہے، جو ساسان پنجم کے زمانے تقریباً ۲۵۰ سال بعد ایران میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

۳۔ دساتیر کی زبان نمونہ یہ ہے:

جساشان، جساش، چساشان، چساش، خساشان، خساش، واسالاس، پاساپاس، راسالاس، تاساتاس!... ہاستنی، راستنی، شاستنی، زاشتنی، شالستنی، سالشتنی سالشتنی دانستنی دانستنی دانستنی دانستنی۔

ساسان پنجم نے شالستنی کو شالستن مصدر (بمعنی دانستن) سے مشتق بتایا ہے۔ دانستنی دانستنی دانستنی دانستنی یعنی دنیا میں جانے والی چیزیں بہت ہیں۔

۴۔ دساتیر سنکھوں سال کی مدت کو حاوی ہے، مہ آباد کی بادشاہی کی مدت صد زاد سال بتائی گئی ہے جو ساسان پنجم کی تفسیر کے اعتبار سے اتنی ہوتی ہے:

..........۳۔ یعنی تین پر اٹھائیس صفر جو ہمارے شمار سے باہر ہے۔ اس سے اس کتاب کے گھڑنے والوں کا جعل واضح ہے۔

۶۔ اس زبان کا رشتہ دنیا کی کسی زبان سے نہیں ملتا۔

۷۔ زرتشت کی کتاب اوستا ہے جس کا کافی حصہ آج بھی موجود ہے، دساتیر میں

ایک نامہ زرتشت کا ہے، اس کا اوستا سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ امر دساتیر گڑھنے والوں کے جعل کا ناقابلِ رد ثبوت ہے۔

اس طرح اور بہت سے قرائن ہیں جن سے ثابت ہے کہ دساتیر کی زبان، اس کے مندرجات سارے جعلی ہیں۔ یہ جعل سازوں نے مل کر گڑھ لیا ہے تاکہ لوگوں کو اپنے جعل میں پھنسائیں۔

چنانچہ بڑے بڑے دانش مند، مفکر، ادیب، شاعر وغیرہ دساتیری جعل میں پھنسے اور وہ اس کے مطالب اور اسی کی زبان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، اس پر ستم یہ ہوا کہ دساتیر کی مصنوعی زبان کا ترجمہ خسرو پرویز کے دور کے ساسان پنجم نے اسلامی فارسی میں کیا، اس میں بھی صدہا الفاظ جعلی اور خود ساختہ ہیں، انھیں خود ساختہ و مصنوعی الفاظ سے صاحبِ برہان قاطع اور برہان کے سب سے بڑے مخالف دونوں نے دھوکا کھایا۔ برہان میں سیکڑوں دساتیری لفظ موجود ہیں اور غالب کی کوئی بھی تحریر اس ستم سے پاک نہیں۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ غالب کے ایک معاصر دشناسا مولوی نجف علی خاں (متوفی ۱۲۹۸ھ) تھے، انھوں نے غالب کے دفاع میں واقع ہذیان نام کی ایک کتاب ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۵ء میں محرق قاطع برہان کے جواب میں لکھی۔ انھیں کی ایک اہم تصنیف سفرنگ دساتیر ہے جو دراصل دساتیر کے فارسی ترجمہ (بقلم ساسان پنجم) کی دقیق شرح ہے۔ سفرنگ دساتیر ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۴ء میں مرزا صاحب دہلوی کی فرمائش مطبع سراجی میں باہتمام عنایت علی خاں طبع ہوئی۔ مرزا قربان علی بیگ تخلص سالک نے جو غالب کے تلامذہ میں تھے، تاریخ پر ۱۶ شعر کا ایک قطعہ لکھا جس کے آخری اشعار یہ ہیں:

گفتہ ام ایں قطعہ را سالک بطرز دلفریب ۔۔۔ تا بگویم شرحِ مضمونش نیابی آشکار
گیر از ہر مصرعۂ اول تو حرفِ اولین ۔۔۔ گر ہمی نام مصنف را تو باشی خواستار
حرفِ آخر ہم ازاں گیر و ببین اعداد او ۔۔۔ یکہزار و دو صد و ہشتاد ہجری در شمار
اولین حرفی بگیر از آخرین ہر مصرعی ۔۔۔ نام این مجموعۂ بی مثل را آسان برار

ور تو میجوئی نشان از عیسوی تاریخ ہم — آخر از مصرعۂ آخر بگیر و یاد دار
چون حساب آن کنی و خود نبینی سائلش — جان نہ بینم در تن خود از کی شصت و چار
گر ز درگاہ خدا جانی عطا گردد مرا — افگنم در خویش و در تاریخ ہم آرم بکار

مصنف کا نام "نجف علی خاں" کتاب کا نام "شرح دساتیر" سنہ ہجری ۱۲۸۰ھ اور سنہ عیسوی ۱۸۶۴ء، اس قطعے سے برآمد ہوتا ہے۔

سفر نگ دساتیر پر غالب کی تقریظ ہے، یہ تقریظ میں الفاظ موجود ہیں، جابجا دساتیری الفاظ کی آمیزش بھی نظر آتی ہے، اس میں مؤلف سفرنگ کا ذکر اس طرح آتا ہے:

"اما ذوق دانا ستای بر دل زور آورد و زبان را خموشی نگذاشت، بدل گفتم چہ بہ از آن کہ ما ہم سخنی در مدح گفتہ باشیم، دیدہ وری کو تا بنگرد کہ امروز فرخ رخ یوسفی را در مصر معنی ببازار آوردہ اند کہ زیبای جمال باکمالش سرمایۂ نازش روزگار است، نی نی پہلوی زبان پہلوانی را در کارگاہ سخن برردی کار آوردہ اند کہ استادان استادان را گزین آموزگار است، جاماسپ مایہ، ساسان نمایہ، آذر کیوان پایہ مؤلف نجف علیخاں ہمایوی خوی ہمسایہ آن کہ روان گویا بہ پیکرش پیش ازان نازد کہ پیکرہای دیگر بہ روان گویا آن کہ نمیرای فروغ پیرای دساتیر را بدستیاری خامہ تحلی باشامہ چنان آراست کہ لیلای معنی در سیہ خیمۂ الفاظ بدیدار فرتاب پدیداران نامۂ نامور از روشنی چشم چشم روشنی خواست:

نگارخانۂ چین شد ورم ازین ارژنگ — لطافت قلم نقشبند را میرم
ہم آن دبیر روان تازہ ساز را نازم — ہم این سواد سویدا سپند را میرم"

اس تحریر سے اس بات پر بخوبی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ غالب نجف علی خاں کو سفرنگ کی تالیف سے قبل سے بخوبی جانتے تھے۔ دونوں کی ملاقات پر بھی استدلال

ہوسکتا ہے، اس صورت میں غالب کے ایک خط (بنام حبیب اللہ ذکا) میں جو ۱۲۸۴ھ کے بعد کا ہوگا، اس بیان کی تصدیق مشکل معلوم ہوتی ہے:

"ہاں صاحب خطِ دیروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب کے پاس پہنچاؤں، میں نے پایا، حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں، صرف اتحادِ معنوی کے اقتضا سے انھوں نے دافع ہذیان لکھ کر فنِ سخن میں مجھ کو مدد دی۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی، ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں، ان کو وہ خط بجنسہٖ بھیج دیا، یقین ہے وہ مولوی نجف علی کو بھجوا دیں گے، انھی کے اظہار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشدآباد بنگالے میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔" (ج ۴، ص ۱۵۲۷)۔

تفصیلاتِ بالا سے واضح ہے کہ دساتیر غالب کو بہت پسند تھی، لیکن ان کے پیشِ نظر صرف دساتیر کا ترجمہ تھا، دساتیر کی اصل سے زیادہ واقف نہیں ہوں گے۔ ترجمہ دساتیر ساسان پنجم کا کیا ہوا ہے جس کا ذکر خود دساتیر میں ہے۔ ساسان پنجم دساتیری پیغمبر اور صاحبِ کتاب ہے، اس لیے اس کے ترجمے کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ دساتیری پروپیگنڈے میں ہزاروں آئے لیکن کسی نے یہ نہ سوچا کہ ساسان پنجم، جو خسرو پرویز کے زمانے کا آدمی ہو وہ فارسی زبان دستگاہ کیوں کر پیدا کرسکتا ہے جو اس کے کئی صدی بعد وجود میں آتی ہے۔ معتقدات کی دنیا میں آدمی کی فکر کی قوت سلب ہوجاتی ہے۔ یہ کتاب آذر کیوانی سلسلے کی تخلیق ہے جس نے ایران اور ہندوستان میں کئی صدی تک اپنی صداقت کا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ غالب جیسے تعقل پسند دانش مند کا ایسے جعل میں پھنس جانا واقعی بڑی حیرت کی بات، لیکن وہ اس جعل میں پھنسے اور بری طرح پھنسے۔ میرا خیال ہے کہ غالب کی اردو فارسی تحریروں میں جس تحریک کا سب سے زیادہ اثر ہے وہ یہی دساتیری یا آذر کیوانی تحریک ہے، ان کی طرزِ نگارش بھی متاثر اور ان کی فکر بھی، دساتیری پیغمبروں کی صداقت پر وہ مہرِ اثبات

ثبت کر چکے تھے۔ مجھے ذاتی طور پر اس پر سخت حیرت ہے کہ غالب جیسے ذہین آدمی اس چکر میں آئے کیوں کر، بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ ان کی نثر ہو یا نظم، فارسی ہو یا اردو، کوئی تحریر دساتیری اثر سے پاک نہیں، یہ تو تصویر کا ایک رُخ ہے، دوسرا رُخ یہ ہے کہ سوائے قاضی عبدالودود کے کسی غالب شناس نے اس کی شخصیت کے اس نمایاں پہلو کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا، اس پر مجھے بڑا استعجاب ہے اور اس سے بڑی حیرت کی بات کیا ہوگی کہ باوجود اس کے کہ میں نے اپنی بار بار کی تقریروں اور تحریروں میں غالب کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور تقریریں غالب انسٹی ٹیوٹ کے پلیٹ فارم پر ہوئی اور تحریریں غالب انسٹی ٹیوٹ کے مجلے میں شائع ہوئیں، اور پھر اسی انسٹی ٹیوٹ میں ۱۹۸۵ء میں ایک کتاب "نقد قاطع برہان" شائع ہوئی اس کا ایک باب دساتیر پر ہے۔ اور دوسرے دساتیر کے اثرات کلام غالب پر ہے مگر ستم تو یہ ہے کہ غالب انسٹی ٹیوٹ سے ایک کتاب "غالب اور سنہ ستاون" کے نام سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب کا سب سے اہم ماخذ دستنبو ہے جس میں دساتیر کا سب سے زیادہ قہر ہے، مگر مرتب کتاب پر نہ دساتیر کی حقیقت کھلی اور نہ دستنبو پر اس کے اثرات کی، اس پر مستزاد یہ کہ غالب اپنے کو "ساسان ششم" لکھتے ہیں اور یہ تحریر مرتب "غالب اور سنہ ستاون" نے نقل بھی کی ہے لیکن مرتب پر یہ راز منکشف نہ ہوا کہ ساسان ششم کے پیچھے کون سی حقیقت پوشیدہ ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے موقع نہ ہوگا کہ ساسان پنجم کو خدا کی طرف سے یہ مژدہ سنایا گیا تھا کہ اس کے خاندان میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا، اسی مناسبت سے غالب اپنے کو ساسان ششم کہتے ہیں یعنی مہ آبادی خانوادے میں ساسان پنجم کے بعد کا پیغمبر، دساتیر کے مطالب کے جعل پر یہ بڑی دلیل ہے کہ اس کے بعد (سوائے غالب کے) نہ کسی پیغمبر کا پتا ہے اور کسی آسمانی کتاب کا۔

اشارہ شروع میں ہو چکا ہے اور خود غالب نے اس کا اقرار کیا ہے کہ دستنبو دساتیر کا ایک جز ہے، لیکن یہ بات دساتیری مطلب سے تعلق نہیں

رکھتی بلکہ صرف اس کی طرزِ تحریر سے متعلق ہے۔ دساتیر (ترجمہ) کی زبان خالص فارسی ہے، غالب خالص فارسی کے دلدادہ تھے جیسا کہ ان کی ساری نثری تحریروں سے واضح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دساتیر میں کچھ ایسے خود ساختہ لفظ ہیں جن میں نیاپن ہے، وہ غالب کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکے۔ ذیل میں دستنبوہ کے کچھ الفاظ کا تجزیہ پیشِ خدمت ہے:

درآمیغ فروغ ہر فروزہ بہ نیستی نویم بخشندہ ہستی است، ص ۱۵۹

درحقیقت نیستی میں ہر صفت کا فروغ محض ہستی کا بخشندہ ہے۔

اس جملے میں تین لفظ دساتیری ہیں۔

آمیغ، اس کی برہان قاطع ص ۶۲ میں اس طرح تشریح ملتی ہے:

آمیغ بمعنی حقیقت بود کہ در مقابل مجاز است۔ و آمیختن و آمیزش دو چیز باشد باہم۔

فارسی میں مرکب کلمات میں اس طرح آتا ہے: زہر آمیغ، نوش آمیغ، گوہر آمیغ وغیرہ لیکن مجاز کے مقابل حقیقت کے معنی یہ لفظ دساتیری جیسا کہ فرہنگ دساتیر ص ۲۳۱ سے ظاہر ہے۔ بنزرک: فرہنگ ایران باستان، پور داود ج ۱، تہران ۱۳۲۶۔

فروزہ: برہان قاطع ۳: ۱۴۷۷ میں "فروزہا" بضم اوّل۔ جمع فروز است کہ بمعنی روشنائیہا تابشہا و فروغہا باشد۔ و جمع صفت ہم ہست کہ صفتہا باشد۔ "فروزگان" بمعنی صفتہا و صفات باشد کہ جمع صفت است معروف، بمعنی تابش و روشنی و فروغ آفتاب وغیرہ۔ و بمعنی صفت ہم آمدہ است۔ دراصل صرف لفظ فروز اصلی ہے اور اس کے معنی تابش، روشنی کے ہیں، صفت کے معنی میں اس کا استعمال دساتیری ہے، فروزہا اس کی جمع ہے اور صفات کے معنی میں اس کا استعمال دساتیری ہے، اس کو فروزہ کی جمع بتائی گئی ہے اور فروزہ فارسی میں نہیں، فقط دساتیر میں بمعنی صفت آیا ہے۔ جیسا کہ فرہنگ دساتیر میں ہے (ص ۲۵۸) "فروزگان" فروزہ کی دوسری جمع ہے، یہ کلمہ فروزندہ بمعنی روشن شدہ۔ و بمعنی موصوف ہم آمدہ۔ معنی آخر کے اعتبار سے دساتیری، دیکھیے فرہنگ دساتیر ص ۲۵۸۔ یہ کلمہ لفظاً فارسی میں نہیں آیا، صرف دساتیری ہے یا آذر کیوانی۔

نویم : بفتحِ اول بروزن قدیم، لفظی است کہ آنرا در عربی معنی میگویند، ہمچنانکہ گویند بنویم دیدن شناخت یعنی بمعنی دیدن شناخت (برہان ۴ : ۲۲۱۰)۔ فارسی میں یہ لفظ نہیں آتا، لفظاً و معناً دساتیری ہے، دیکھیے فرہنگ دساتیر ص ۲۷۱۔ دستنبوہ ص ۱۵۹۔

وجداشناس خوب وزشت وکم و بیش پندار وسمراد است

خوب وزشت اور کم و بیش کے درمیان امتیاز محض خیال و وہم ہے۔

جداشناس اچھا مرکب ہے، مگر فارسی میں مستعمل نہیں، برہان قاطع میں بھی درج نہیں ہے، برہان قاطع ۲ : ۱۱۶۵ سمراد بروزن فرہاد بمعنی وہم و فکر و خیال باشد یہ لفظ فارسی میں نہیں آتا، دساتیری لفظ ہے، دیکھیے دساتیر ۲۵۲، فرہنگ ایران باستان ص ۴،—— دلبستان المذاہب ص ۶۴ میں اس کا استعمال ہوا ہے۔

دستنبوہ ۱۶۳

ہاں ای دانندگان فرزبود دشناسندگان زیان وسود

فرزبود کی تشریح برہان قاطع ۳ : ۱۴۵۹

بفتحِ اول بروزن گرم سود، بمعنی حکمت باشد کہ آن دریافتن افضل معلومات است بافضل علم

فرزبود دساتیری ہے، دیکھیے فرہنگ دساتیر ۲۵۶، فرہنگ ایران باستان ۱ : ۴۷۔

دستنبوہ ایضاً

کارگزاری برینیان رادروغ پندارم

برینیان جمع ہے، برینی بمعنی علوی، یہ لفظ فارسی میں بے سابقہ ہے، برین اصیل فارسی ہے اور جس پر 'ی' کے اضافے سے برینی بنایا گیا، یہ دونوں دساتیری لفظ ہیں، فارسی سے کوئی تعلق نہیں۔

دستنبو ۱۶۳، نیز رک ص ۱۷۸

ہمان کنونہ اکنوں چشم دارم

کنونہ فارسی میں نہیں آتا، دساتیری معنی حال ہے۔ برہان میں یہ لفظ شامل نہیں۔

دستنبو ۱۶۱

درنگ و نیرنگ نمایهٔ آنست

نمایہ فارسی میں نہیں آتا، برہان قاطع میں نہیں ہے، دساتیری ہے بمعنی نمونہ (دیکھیے دستنبو ۱۶۱

سرمایہ نمانمای خوبش یعنی سرمایۂ خودنمائی

نمانما فارسی میں بے سابقہ ہے۔ برہان میں بھی نہیں، دساتیری معلوم ہوتا ہے (دیکھیے

دستنبو ۱۸۲

پن بمعنی لیکن، دیکھیے برہان ۱۸۱۴، دساتیری ہے (دیکھیے ۲۰۲/ص ۱۸۰

برشس دید

برشس دید فارسی میں نہیں آتا، دساتیری ہے، برہان قاطع میں درج نہیں ہے (دیکھیے

مگر قطع نظر کا کیسا دلچسپ ترجمہ ہے۔

۱۸۱/۲۳۴ فرتاب بمعنی کرامت

فرتاب برہان میں شامل نہیں، لیکن دساتیری ہے (دیکھیے

۲۰۲ جاور

برہان ۲ : ۵۶۱ جاور بمعنی حال باشد چنانکہ اگر گویند چہ جاور داری مراد آن

باشد کہ چہ حال داری ؟

حاشیہ برہان اما این کلمہ در دساتیر بمعنی حال وخداوند مکان استعمال شدہ

فرہنگ دساتیر ص ۲۴۱ ۔

۱۸۱ جاور گردش ؛ خرشید زاندیشہ جاور گردش

بر چرخ نبینی کہ چسان می لرزد

جاور گردش بمعنی تغیّر حال۔ برہان قاطع ۲ : ۵۶۱

جاور کردن بمعنی تغیّر و تبدیل دادن، یہ فرہنگ دساتیر ص ۲۴۱ میں ہے۔

۱۸۵ نادر فرتاش

برہان ۴ : ۲۱۱۱ نادر بمعنی ممکن کہ در برابر واجب باشد۔ دساتیری (فرہنگ دساتیر

ص ۲۶۹)

برہان ۳ : ۱۴۵۰ فرتاش بمعنی وجود است در برابر عدم آذر کیوانی۔ دساتیری لفظ ہے،
برہان

برہان ۴ : ۲۱۱۱ نادر فرتاش بمعنی ممکن الوجود است چہ نادر بمعنی ممکن و فرتاش بمعنی وجود
یہ دساتیری مرکب ہے، دیکھیے برہان ۴ : ۲۱۱۱ حاشیہ، نیز فرہنگ دساتیر ۲۶۹ ۔

۱۸۵/۲۱۲ فرازمان

برہان ۳ : ۱۴۴۶ فرازمان حکم و فرمان را گویند ،

حاشیہ : برساختہ دساتیر فرہنگ ایران باستان ۷، ۴، فرہنگ دساتیر
۲۵۶، تصرفی در فرمان ۔

۱۸۹ سومۂ پاس

برہان ۲ : ۱۱۹۲ سومہ انتہا و حد و طرف باشد

یہ لفظ دساتیری ہے اور فرہنگ دساتیر ۲۵۴ میں موجود ہے ۔

۱۸۹/۲۳۴ فرگفت

برہان ۳ : ۱۴۶۸ فرگفت بمعنی فرمان و حکم باشد

یہ لفظ دساتیری ہے، رک فرہنگ دساتیر ص ۲۵۷ ۔

۱۹۶ دستنبوۂ کا یہ جملہ ملاحظہ فرمائیں :

ہمانا پا بخوان مہر خوان و سراپا در تازی گفتار خطاب و خلعت و جہم نان ریزہ[۲] در انگریزی
زبان پنسن تواند بود

گویا مہر خوان اور سراپا کا ترجمہ عربی زبان میں خطاب و خلعت ہے۔ اور مختصر ماہیانہ
انگریزی پنشن ہے۔

---

[۱] دستنبوہ ص ۲۳۲ میں یہ جملہ ہے : کاش در بارۂ آن خواہشہای سرگانہ ہمانا مہر خوان
وسراپا و ماہانہ۔ (یعنی خطاب، خلعت اور پنشن)

[۲] دستر خوان پر بچی کھچی روٹی کے ٹکڑے۔

اس میں کئی لفظ نئے اور غور طلب ہیں :

پانچواں برہان قاطع ۲۶۳ میں اس طرح آیا ہے : بمعنی ترجمہ باشد و آن معنی لغتی است از زبانی بزبان دیگر۔

یہ لفظ اصیل فارسی نہیں ہے، دساتیری ہے چنانچہ فرہنگ دساتیر ص ۲۳۸ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مہر خوان ۔ یہ لفظ برہان قاطع ۴ : ۲۰۶۵ میں آیا ہے :

مہر خوان بمعنی خطاب باشد ہمچنان کہ در ہندوستان متعارف است مانند آصف خاں و اسلام خاں و لشکر خاں و امثال آن۔

مولف سراج اللغۃ بنقل فرہنگ نظام ج ۵ ص ما، این ترکیب از برساختہ ہای فرقۂ آذر کیوان است، در فرہنگ دساتیر ص ۲۶۶ آمدہ، مہر خوان بمعنی خطاب باشد کہ از سلاطین با مرا و اراکین دولت عنایت شود مثل آصف جاہ و آصف الدولہ و غیر ذالک، و آن مرکب است از مہر (محبت، لطف) + خوان (از خواندن)، مراد لقب و عنوانست ۔

اس سلسلے میں چند چیزیں قابلِ توجہ ہیں :

۱۔ آصف جاہ و آصف الدولہ کے خطاب نئے ہیں، زیادہ قدیم نہیں ۔

۲۔ مہر خوان کے بجائے مہر خان لقب کے لیے زیادہ مناسب فقرہ تھا لیکن آذر کیوانیوں نے توجہ ہٹانے کے لیے خان کو خوان میں تبدیل کر دیا۔

سراپا کے معنی "ہمہ و تمام" برہان ۲ : ۱۱۱۲ میں درج ہیں، دراصل یہ کلمہ سراپا، سرتاپا ہے، یعنی سر سے پیر تک، پورے کا پورا۔ مگر غالب نے خلعت کا ترجمہ سراپا کیا ہے۔ بخوبی ممکن ہے کہ یہ لفظ آذر کیوانی سلسلے کا ہو۔

"چم" فارسی کا بہت متداول لفظ ہے اور مختلف معنوں[1] میں آتا ہے۔ برہان قاطع ۲ : ۶۵۷ میں اس لفظ کے یہ معانی درج ہیں :

---

[1] فرہنگِ جہانگیری میں اس کے دس معنی لکھے گئے ہیں۔ ج ۲، ص ۱۷۸۵ - ۱۷۸۶۔

۱۔ خرام و رفتاری بناز
۲۔ امراز خرامیدن بخرام
۳۔ خمدار رفتار
۴۔ امر چمیدن یعنی گرد برآ
۵۔ معنی، لفظ جسم، معنی روح، مثال این سخن چم ندارد وغیرہ۔

لغت فرس ص ۲۵۰ میں چم کے معنی، معنی اور رونق دیے ہیں اور حسب ذیل ابیات بطور شاہد نقل ہیں،

دعوی کنی کہ شاعر دہرم ولیک نیست　　　در شعر تو نہ حکمت و نہ لذّت و نہ چم

(شہید)

رودکی ؛　چراہمی نچم تا کند چراتن من
کنیز تا نہ چم کار من بگیرد چم

شاکر:　چہ گوئی آن ادبی کان ادب ندارد نام
چہ گوئی آن سخنی کان سخن ندارد چم

باوجود اس کے کہ "چم" نامانوس سا لگتا ہے لیکن اصیل فارسی لفظ ہے، دساتیر سے کوئی تعلق نہیں۔

دستنبوہ ص ۲۰۱　بست ویک نوای ہوش فزارا شوہ چیست
(۲۱ ہوش ربا آوازوں (۲۱ توپ کی سلامی) کا سبب کیا ہے)
برہان ۳ : ۱۳۱۲ <u>شوہ</u> باخفای ہا بمعنی سبب و باعث و مادہ باشد
یہ دساتیری لفظ فرہنگ دساتیر ص ۲۵۵ اور فرہنگ ایران باستان ج ۱، ص ۷۴ میں موجود ہے۔

دستنبوہ ۲۰۳ این کہ فرجام کار بادشاہ و بادشاہزادگان کہ ردگاہ داستان کشایش شہر بایستی، نخست ننگاشتہ ام نیز لاد برین است۔
"اور یہ بھی کہ بادشاہ اور شہزادوں کا انجام جو شہر کی فتح کا مقدمہ ہونا چاہیے، میں نے

پہلے نہیں لکھا ہے، اس امر پر منحصر ہے۔

لفظ رودگاہ برہان قاطع (ص ۹۷۸) کے علاوہ مجھے اب تک کسی فرہنگ میں نظر نہیں آیا، اس کے تین معنی اس فرہنگ میں دیے ہیں :

۱۔ کنایہ از دیباچۂ کتاب

۲۔ دست بالای جامہ

۳۔ پیشوائے قوم

بظاہر یہ لفظ دساتیری ہے۔

"لاد" بمعنی بنیاد اصیل فارسی کا لفظ ہے، برہان ۳ : ۱۸۷۵ میں اس کے متعدد معانی لکھے ہیں، دیوار، بنیاد و بنای دیوار، انحصار، بنا بر۔۔۔۔۔

آرشں، دستنبوہ ص ۲۰۶ "اندیشۂ سخن رسان را بہ آرشں این نگارش رسائی باد" (سخن شناسوں کی رسائی فکر اس تحریر کے معنی تک ہو) برہان ص ۳۱ آرشں بکسر ثالث بمعنی معنی باشد کہ در مقابل لفظ است۔

اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ دساتیری ہے، دیکھیے فرہنگ دساتیر ص ۲۳۰۔

ارزانش، دستنبوہ ۲۱۶ ارزانش خواران اند ہمانا بنس داران۔

برہان ۱۰۲ ارزانش بکسر نون و وزن بخشایش بمعنی خیر و خیرات و چیزی در راہِ خدا بمردم دادن۔

یہ دساتیری لفظ فرہنگ دساتیر ص ۲۳۲ میں موجود ہے۔

دستنبوہ ۲۱۳ : ہمدرین ماہ فرلور فروزی کہ ازین فرہنگاخ تا فرودین۔

فرلور : برہان ۳ : ۱۴۸۴ میں اس کی تشریح اس طرح پر ہے :

فرلور بمعنی راست و درست باشد ہمچنانکہ گویند : فلانی فرلوردین و فرلورکیش است، یعنی راست کیش و درست مذہب۔

برہان قاطع سے تقریباً نصف صدی قبل فرہنگ جہانگیری (۱ : ۱۰۹۲) میں فرلور درج ہے، دو معنی دارد اوّل بمعنی راست و درست آمدہ چنانچہ اگر گویند فلانی فرلور

دین است یا فربود کیش است، مراد آن باشد کہ راست و درست
کیش است و در کتابی از کتب فرہنگ قدیم نوشتہ دیدم کہ فربودی
بہمین معنی نوشتہ دیدم۔

برہان میں فربود کے ساتھ فربودی، فربود یدن بھی آئے ہیں، یہ دساتیری صورتیں ہیں۔
برہان قاطع ۳: ۱۱۵۰، "فربود" بمعنی راست و درست باشد چہ فربود کیش و فربود دین
کسی را گویند کہ در کیش، دین، ملت، و مذہب، خود راست و درست باشد۔
فربودی مخفف فربود دین و آئین کسی باشد کہ در دین و ملت خود راست
و درست باشد۔

جہانگیری ۱: ۱۰۶۰ فربودی کسی را گویند کہ براہ راست، باشد در دین چنانکہ گویند
فربود کیش و فربود دین و آنرا فربودی نیز خوانند واما اصح فربود است۔

فربود و فربودی بمعنی راست و درست مذہب دساتیری ہے، فارسی میں یہ معنی نہیں۔
جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ برہان قاطع کے مصنف نے سیکڑوں دساتیری لفظ اپنی
فرہنگ میں شامل کر لیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرہنگ جہانگیری کی تالیف کے
وقت آذر کیوانی سلسلے کی کتابیں وجود میں آ رہی تھیں اور ان کی فرہنگیں بھی تیار ہو رہی
تھیں۔ جہانگیری کے مؤلف نے ان کی کتابوں سے متاثر ہو کر یہ الفاظ اپنی فرہنگ میں
شامل کر لیا ہے۔ غیر آذر کیوانی ادب میں جہانگیری کے یہ اندراج شاید قدیم ترین
اندراج ہو۔ اس لیے اس اندراج کی تاریخی اہمیت بھی مسلم ہو جاتی ہے۔

فرہنگاخ۔ برہان قاطع ۳: ۱۱۸۱، بمعنی میانہ و وسط۔
یہ لفظ دساتیری ہے، چنانچہ فرہنگ دساتیر ص ۲۵۹ میں آیا ہے، اور فرہنگ ایران
باستان ج ۱، ص ۴۰ میں اس کو دساتیری قرار دیا گیا ہے۔

شاد خواست۔ دستنبو ص ۲۱۸: دربارۂ نخستین شاد خواست فرمان رسید۔
برہان قاطع ۳: ۱۲۲۳ میں شاد خواست بمعنی شوق و اشتیاق، لیکن دستنبو
کے جملے میں خواہش کے معنی میں ہے، اس لفظ کا شمار دساتیری الفاظ کی فہرست میں

ملتا ہے، دیکھیے "غالب پر چند مقالے"، ص ۳۰۔

ہودل بند۔ دستنبوہ ۲۲۰

برہان ۴، ۲۳۸۹ میں ہودل کے یہ معنی درج ہیں ؛

ہودِل بکسرِ ثالث بروزن موصل بمعنی رصد باشد چہ ہودل بند رصد بندرا گویند و رصدگاہ جای است کہ حرکات افلاک و کواکب را در انجا ضبط می کنند۔

یہ دساتیری لفظ ہے چنانچہ فرہنگ دساتیر ص ۲۷۶ میں ہودل و ہودل بند دونوں مذکور ہیں۔

ہرنیز، دستنبوہ ص ۲۲۰ و چرخ جز بہ ہرنیز گردشی کہ اوراست از لاد رہ نہ نوردد۔
(اور آسمان نے سوائے گردش کے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے ہرگز راہ طے نہ کی)۔

برہان ۴: ۲۳۲۷ میں اس طرح ہرنیز کی تشریح ملتی ہے :

بمعنی تعین و چیزی بخود سپردن باشد چہ ہرنیز مند صاحب تعین را گویند بلغت زند و پازند۔ و بمعنی تعین و قرار دادن ہم ہست چنانکہ گویند ؛ مواجب فلاں راہرنیز کردیم، یعنی تعین کردیم و قرار دادیم۔

ازلاد۔ دستنبوہ بمعنی ہرگز آیا ہے، مگر یہ لفظ کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گزرا۔

فرگاہ۔ دستنبوہ ۲۳۲ : از فرگاہ شہنشاہ فیروز بخت الخ

فرگاہ کے معنی برہان ۳: ۱۴۶۸ میں اس طرح بیان ہوئے ہیں ؛

بروزن خرگاہ لفظی است کہ آنرا بعربی حضرت می گویند۔

یہ دساتیری لفظ ہے اور فرہنگ دساتیر ص ۲۵۷ میں درج ہے۔ لیکن یہ لفظ فارسی میں مستعمل ہونے کے لائق ہے، فر بمعنی شان و شکوہ۔ گویا فرگاہ بمعنی شان و شوکت کی جگہ، بادشاہ کی بارگاہ، حضرت۔ ضمناً یہ بات قابل ذکر ہے کہ فرگاہ کا وزن خرگاہ۔ اگرچہ خرگاہ بڑے خیمے کو کہتے ہیں، لیکن اس میں "خر" کی وجہ سے سقم ہے، اس کو یہاں نہ لکھنا چاہیے۔

ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں جو نظم ہے، اس کی ایک بیت یہ ہے :

بہ فرگفت بخشش خرد در نواز　　　بفرتاب دانش خردمند ساز

اس میں فرہنگ بمعنی علم اور فرتاب بمعنی کرامت دساتیری الفاظ ہیں، ان کا ذکر قبلاً ہو چکا ہے۔

تراج بمعنی "آئین" دساتیری استعمال ہے۔ اس معنی میں کہیں نظر نہیں آیا۔

یہ مختصر سی گزارش ان دساتیری الفاظ کی ہے جو غالب نے عمداً دستنبوہ میں داخل کیا ہے، ان کے نزدیک وہ اصیل فارسی کے الفاظ ہیں جو فارسی شاعروں اور ادیبوں کی غفلت کی وجہ سے فارسی زبان کا جزنہ بن سکے۔ ان لفظوں کے علاوہ اور بھی دساتیری الفاظ دستنبوہ میں ہوں گے جن کی شناخت دقیق مطالعے کی متقاضی ہے۔

غالب کی دوسری اور تصانیف میں دساتیری عنصر موجود ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی تمام کتابوں میں دساتیری الفاظ کی تلاش کی جائے اور اس کی شناخت کو عام کیا جائے۔ غالب کے اردو کلام کا کافی مطالعہ ہوا، شاید سب ادیبوں اور شاعروں کے کلام سے کہیں زیادہ، مگر غالب کے کلام میں اس عنصر کی تلاش قرار واقعی نہیں ہوئی، یہ بڑی دکھ کی بات ہے۔

غالب کے ایک خط کے بعض امور کی توضیح

غالب کا ایک خط نواب علاء الدین احمد خاں علائی کے نام کا ہے، اس خط میں یہ بیان[1] بھی درج ہے :

"ضیمران[2]" بروزن "درگران[3]" لغت عربی ہے نہ معرب، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ پھول ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں، اس کی تحقیقات از روئے "الفاظ الادویہ[4]" ممکن ہے۔

آج اس نے جلاب لیا، دس دست آئے، مواد خوب اخراج ہوا، فارسی غیر فصیح، امروز فلانی مسہل گرفت، دہ دست آمد، مواد خوب برآمد، فارسی فصیح، امروز فلانی پگاہ داروی مسہل آشامید، تا شام دہ بار نشست یادہ بار بمستراح رفت یادہ بار بہ بیت الخلا رفت، مادۂ فاسد چنانکہ باید اخراج یافت۔

معلوم رہے کہ لوطیوں کی منطق میں خصوصاً اور اہل پارس کے روزمرے میں عموماً

۱؎ غالب کے خطوط ج ۱ ص ۳۸۶ ۲؎ غالب کے خطوط میں ضیمران غلط درج ہے۔

۳؎ غم خوران کے وزن پر ہے

۴؎ چھاپ کراچی، موسسہ ہمدرد، ۳۰، ۱۹۷۶ء ص ۲۵۱۔

"نشستن" استعارہ ہے "ریدن" کا۔" اس کے بعد صاحب کی نسبت سے ایک تذکرے کے حوالے سے ایک قول نقل کیا ہے جس کو فی الحال میں نظر انداز کرتا ہوں۔

ذیل میں اس خط کے امور کی توضیحات پیش کی جاتی ہیں:

ضَیمُران (Zaymuran) کی تشریح بیرونی نے کتاب الصیدنہ میں اس طرح کی ہے:

ضَیمُران ہو شاہسفرم والضَومُران من الریاحین العنج[1] وقیل ضَومُران هو الضیمران البرّی[2] (ابوحنیفہ) هو ریحان[3] الملک ویسمی ایضاً شاہسپرم[4]

اس کا انگریزی ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

Daymuran: It is Shahsafram. Daymuran is one of the fragrant Vines. It is said that Dayamuran is wild 7 Daymuran, whereas Abu Hanifa has called it rayhan-al-malik and it is also called Shahisparam.

سلطان شمس الدین التتمش کے زمانے میں ابوبکر کاسانی نے کتاب الصیدنہ کو فارسی میں منتقل کیا تھا، اس میں ضیمران کی تشریح اس طرح ملتی ہے[8]:

ضیمران وضومران عرب ریحان را نیز گویند و بعضی از پارسیان اورا شاہ اسپرم نیز گویند۔ خاصیت: ارجانی گوید کہ ضیمران گرم خشک است در یک درجہ و تخم اسہال صفراوی را تسکین دہد و طریق

---

[1] اس کی دوسری قرأت العنج ہے۔ [2] یہ لفظ ٹھیک طرح سے پڑھا نہیں جاتا

[3] دوسری صورت ریحان الملک [4] متن میں ضومران (Zaumuran) ہے۔

[5] شاید Wines صحیح ہو۔ [6] یہ درست نہیں Zaumuran ہونا چاہیے۔

[7] اصل میں rajhan چھاپے کی غلطی ہے۔

[8] مخطوط برٹش میوزیم ذیل ضیمران وضومران۔

علاج این نوع از اسہال آنست کہ تخم او را بریان کنند و بروغن
گل تر کنند و بآب سرد بکار برند۔"

واضح ہے کہ کاسانی نے ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اس کی بنیاد پر گویا دوسری کتاب لکھی۔
بہرحال یہ بھی قدیم بیان ہے اس لیے اس کی اہمیت ہے۔

الفاظ الادویہ میں جس کا ذکر غالب کے خط میں ہے اور جس کی تفصیل بعد میں
آئے گی، ضیمران اور ضومران کا بیان اس طرح ہوا ہے:[1]

ضومران فتح اول و سکون ثانی و ضم میم و رائے مہملہ و الف و نون
بید مشک و گویند ریحان و گویند سپرغم ہو تلسی (اس کے بعد اس
کے خواص درج ہیں)

ضیمران (ء)، بفتح اول و سکون تحتانی، ضم میم با رائے مہملہ و الف
و نون ہم ریحان (اس کے خواص درج نہیں)

اختیارات بدیعی[2]:

آن را ضیمران نیز گویند و شاہ اسفرم شیرازی خوانند . . . صاحب جامع
گوید فود[3] نج جوئی است و سہو کردہ است، طبیعت وی گرم و خشک
بود در دوم و گویند سرد بود محرور مزاج را نافع بود خاصہ چون
گلاب بروی زنند و بر جائی کہ سوختہ باشد ضماد کنند نافع بود..

فہرست مخزن[4] الادویہ:

شاہ سفرم است و باد روج را نیز نامند

---

1. مطبوعہ نول کشور لکھنو ۱۸۸۱ء / ۱۲۹۸ھ ، ص ۳۰۸
2. منقول از لغت نامۂ دہخدا ، تہران ۱۳۲۹ خورشیدی ص ۔ ضمیم ، ص ۹۳
3. تذکرہ ضریر انطاکی میں بھی یہی ہے (رک دہخدا)
4. رک : لغت نامہ دہخدا ذیل ضیمران ۔

ابن البیطار[1] :

حبق الماء، پودنۂ لب جوی، پودنۂ جویباری

۶. بی دفارسی لغات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

منتخب اللغات : ضیمران ریحان دشتی، نوعی از ریحان، نوعی از ریحان دشتی

منتہی الارب : ریحان فارسی

مفاتیح : گیاہی است کہ شاہ اسپرغم گویند، شاہسفرم

دستور الاخوان : شاہ سپرغم، ای بوستان افروز (ص ۴۰۱)

فرہنگ نظام : اسم گیاہی است کہ نام فارسیش شاہ اسپرم است

آنند راج : ضومران ریحان دشتی، ضیمران مثلہ

ضیمران بمعنی ضومران ریحان دشتی، یا فارسی وبضم میم

غیاث اللغات میں ضیمران کے بجائے ضمیران[2] آیا ہے، اور اس کے معنی یہ لکھے ہیں :

ضمیران (ذیل ضاد معجمہ مع میم ضاد) بالفتح و یای تحتانی مضموم بمعنی سپرغم کہ آں را ریحان و ناز بو گویند از موید وکشف ولطایف مدار وبضم اول وفتح میم وبفتح اول وثالث بمعنی سپرغم کہ آنرا ناز بو نیز گویند و در صراح ضومران نوشتہ بفتح اول وضم میم"۔

ضیمران لفظ لغت وطب کی کتابوں کے علاوہ ادب اور شعر سے متعلق کتابوں میں اکثر آیا ہے، ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں :

گلستان[4] سعدی میں سبب تالیف کے سلسلے کے جو فصیح عبارت ہے اس میں لفظ

---

[1] رک، لغت نامہ دہخدا ذیل ضیمران۔

[2] کو زیر کی گوید، معنی این کلمہ صحت معلوم نیست ، گیاہی است خوشبوی از جنس شاہسپرم (ایضا)

[3] یہ غلط محض ہے۔ دراصل بعض جگہ نقطوں کے تقدم وتاخر سے یہ غلطی پیدا ہوئی، یہ غلط صورت علاوہ لغت کے بعض اور کتابوں میں دیکھنے میں آئی ہے۔

[4] کلیات سعدی، چاپ امیر کبیر، تہران ۱۳۶۵، ص ۳۲ - ۳۳

ضیمران بڑی خوب صورتی سے چسپاں ہوا ہے ،

شب را بوستان بایکی از دوستان اتفاق مبیت افتاد موضعی
خوش وخرم ودرختان درہم، گفتی کہ خردۂ مینا برخاکش ریختہ وعقد
ثریا از تاکش آویختہ، بامداد کہ خاطر باز آمدن بررای نشستن
غالب آمد، دیدمش دامنی گل وریحان وسنبل وضیمران فراہم آوردہ
ورغبت شہر کردہ، گفتم گل بستان را چنان کہ دانی بقائی وعہد
گلستان را وفائی نباشد۔"

اب چند فارسی شعرا کے فارسی اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن میں لفظ ضیمران
استعمال ہوا ہے ۔

منوچہری

بستد عمامہ ہای خز سبز ضیمران [1] — بشکست حقہ ہای زرو دُر میوہ دار
از آرغون کمر کنم از ضیمران زرہ [2] — از نارون پیادہ واز ناران سوار
نہ با رنگ او باید ت رنگ گل [3] — نہ با بوی او نرگس وضیمران
بوستان افروز پیش ضیمران [4] — چون نزاری پیش روی فربہی
زبان [5] وار غوان واقحوان وضیمران نو — جہان گشتہ است از خوشی بسان لات والعزیٰ

مسعود سعد سلمان :

از [6] زخم کام بارۂ تو در صمیم دی — برکوہ لالہ رستہ وبردشت ضیمران
مخائل [7] سروری بکود کی زو بتافت — چو برچمن شد دوبرگ بوی دہد ضیمران

---

۱ دیوان منوچہری ، تصحیح دبیر سیاقی، تہران ۱۳۵۶ ص ۳۰

۲ ایضاً ص ۳۱ ۳ ایضاً ص ۶۸ ۴ ایضاً ص ۱۱۱ ۵ ایضاً ص ۱۳۱

۶ دیوان مسعود سعد سلمان تصحیح رشید یاسمی، امیر کبیر ۱۳۶۲، ص ۳۶۸

۷ ایضاً ص ۴۱۳ ۔

سوزنی سمرقندی :

خود[1] بہ نعت سرزلف ضیمران صفتش　　بہ بوستان دلم رستہ ضیمرانِ سخن

خاقانی :

رایات[2] تو روس را علی رؤس　　صرصر شدہ ساق ضیمران را

گر سنگ[3] پذیرد آب جودش　　زآتش زنہ ضیمران نیم

گرچہ[4] در غربت نبی آبان شکستہ خاطرم　　زآتش خاطر بہ آبان ضیمران آوردہ ام

شاہ[5] ریاحین بساخت لشکرگاہ از چمن　　نیاں کان دید کرد لشکری از ضیمران

رشید وطواط :

موی[6] او گشتہ زآفات جہان چون نسترن　　روی او گشتہ زاحداث زمان چون ضیمران

مولوی روم[7] :

جز ہمان میلی کہ دارد سوی آن　　خاصہ در وقت بہار ضیمران

تو کہ گرد زعفرانی زعفران　　باش و آمیزش مکن با ضیمران

آخر میں دیوان سراجی خراسانی سے جو راقم الحروف کی تصحیح و اہتمام کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا ہے، چند ابیات درج کر رہا ہوں، سراجی ہندوستان آیا اور سلطان التتمش کے وزیر نظام الملک جنیدی سے وابستہ ہوا، اس دیوان میں لفظ ضیمران کا استعمال بڑی خوب صورتی سے ہوا ہے:

ای[8] شنو لفیں جاناں بر بناگوش چو گل　　دلفریبد سبز و تر چون ضیمران بینم ترا

---

[1] رک: لغت نامہ دہخدا، ذیل ضیمران　[2] دیوان چاپ دکتر سجادی، زوّار، ص ۲۳ -

[3] ایضاً ص ۲۶۸　[4] ایضاً ص ۲۵۸　[5] ایضاً ص ۳۳۲ -

[6] رک، لغت نامہ، ذیل ضیمران -

[7] ایضاً

[8] دیوان ص ۴

برگ گل[1] صد برگ یارم ضیمران می افگند — ضیمرانش سنبل اندر گلستان ی افگند

بی گہ[2] برکل صد برگ ضیمران فگند — عجب نباشد اگر فتنہ درجہان فگند

صبح[3] چون چتر در فشان بنمود — چوں جم از روی ضیمران بنمود

پیش[4] گلشن ثنات می خواندم — باغ از آن کلک ضیمران بنمود

شگفت[5] بین کہ فلک ضیمران بجو جم داد — چہ نقص بود فلک رابہ ضیمران اندر

ضیمران[6] نایدز خارا ز نسیم خلق او — ازدل خارا بنزہت ضیمران آمد برون

غالب کے متذکرہ بالا خط میں ضیمران کی تحقیق کے سلسلے میں "الفاظ الادویہ" کا نام آیا ہے، ضروری ہے کہ اس کی تفصیل یہاں بیان کردی جائے۔

الفاظ الادویہ ایک اہم طبی تصنیف ہے، اس کا مولف حکیم نورالدین محمد شیرازی ہے، نورالدین حکیم عین الملک شیرازی کا بیٹا اور شیخ مبارک پدر فیضی وابوالفضل کا نواسہ ہے۔

اگرچہ اس کی پیدائش ہندوستان کی ہے، لیکن شیرازی خاندان ہے، اس کا باپ حکیم عین الملک[7] بڑی اہم علمی وسیاسی شخصیت کا مالک تھا۔ کریمانہ اخلاق رکھتا تھا۔ شریف اور عالی نسب تھا۔ ماں کی طرف سے سلسلۂ نسب جلال الدین دوانی صاحب اخلاق جلالی سے ملتا تھا۔ عین الملک اعلیٰ درجے کا طبیب اور ماہر چشم تھا، علم کحالی میں اس کی نظیر ملنا مشکل تھا، بڑے بڑے علاج میں خود اکبر بادشاہ اس سے مشورہ لیتا تھا۔ ۹۸۱ھ سے قبل دربار سے وابستہ ہوا تھا، اور بادشاہ کا رزم بزم کا شریک رہا۔ سال نہم جلوس میں چنگیز خاں جو گجرات میں شورش پر آمادہ تھا۔ اس سے نمٹنے کے لیے گجرات بھیجا گیا، وہاں سے کامیاب واپس ہوا، ۱۰ویں سال جلوس میں اعتماد خاں کو میرابوتراب کے ساتھ دربار میں حاضر کرانے میں کامیاب ہوا۔ ۱۹ویں سال

---

۱ دیوان ۱۱۰ ۲ ایضاً ص ۱۱۲ ۳ ایضاً ص ۱۳۳ ۴ ایضاً ص ۱۳۵۔

۵ ایضاً ص ۱۷۷۔ ۶ ایضاً ص ۲۵۳۔

۷ اس کے حالات کے لیے دیکھیے منتخب التواریخ بداؤنی جلد ۲ (ترجمہ انگریزی)، ص ۲۲۴، ۲۵۷ بعد، ج ۳ ص ۲۲۹-۳۰، ۲۲۰-۲۱ بعد، آئین اکبری، ترجمہ انگریزی ج ۱ ص ۵۲۷ شمارہ ۲۳۴،

جلوس بادشاہ صوبہ مشرقی کی طرف متوجہ ہوئے تو عین الملک ان کے ہم رکاب تھا۔ اس کے کچھ دن بعد وہ ابراہیم عادل شاہ کی نصیحت کے لیے بیجاپور بھیجا گیا، ۲۲ ویں سال جلوس میں دربار واپس ہوا، اور سنبھل کے خطے کا فوجدار بنا، ۲۶ ویں سال جلوس عرب بہادر، نیابت خاں اور شاہ دانہ جو نواح سنبھل میں غبار شورش بھڑکا رہے تھے، تو حکیم عین الملک نے بریلی کے قلعہ کو مستحکم کرنے کا ارادہ کیا، اسی سال بنگال کا صوبہ دار بنایا گیا، ۳۱ ویں سال جلوس صوبۂ آگرہ کا بخشی مقرر ہوا، کچھ دن بعد خان اعظم کے ساتھ تسخیر دکن پر مامور ہوا اور پرگنہ ھنڈیا اس کو جاگیر میں دیا گیا۔ لیکن نہ جانے کیوں خان اعظم نے جاگیر میں تبدیلی کی تو حکیم ناخوش ہو کر واپس لوٹ آیا۔ یہ ۳۵ ویں جلوس کا واقعہ ہے، پہلے تو بادشاہ اس پر ناراض ہوا لیکن واقعات کی تحقیقات کے بعد اسی جاگیر پر پھر بھیجا گیا، اور وہیں ۱۰۰۳ ہجری میں اس نے انتقال کیا۔

حکیم عین الملک شاعر تھا اور دوائی تخلص کرتا تھا، عبدالقادر بداونی سے خصوصی تعلقات تھے، اس نے منتخب التواریخ میں[1] اس کے علم و فضل اور اخلاق کی بڑی تعریف کی ہے بداونی نے حکما اور شعرا کے ذیل میں دو جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور کافی اشعار بھی نقل کیے ہیں عین الملک کی ایک منظوم طبی تصنیف باقی ہے، اس کا نام فواید انسان[2] ہے اور اکبر بادشاہ کے لیے لکھی، اس کے خاتمے کے اشعار یہ ہیں:

فکرتم چوں بامر اکبر شاہ ۔۔۔ گشت بر نظم ایں گہر آگاہ

وقت خود را بسال پروردم ۔۔۔ از گہر سہ ہزار آوردم

---

[1] دیکھیے جلد ۲ ص ۲۴۳ وغیرہ [3] ج ۳ ص ۲۳۹، ۳۲۰ - [2] تاریخ تصنیف کا یہ مصرع ہے "شدہ بخش فواید انسان" اس سے ۱۰۰۳ھ برآمد کی گئی ہے جو صحیح نہیں دو فہرست مشترک از منزوی ۱/۵ ص ۴۴۵، ۴۴۶) دراصل اس مصرع سے ۹۰۶ ہجری نکلتی ہے البتہ اگر فواید انسان کے بجائے فواید الانسان ہو تو تاریخ ۹۰۷ ہوگی۔ اس کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ بداونی نے وفات کی تاریخ ۲۰ ذی الحجہ ۱۰۰۳ھ درج کی ہے۔ (۵/۱ ص ۱۳۲)،

از غذا و در دی خلق جہان — جمع کردم فواید انسان
اسم و تاریخ ہر دو فہمیدم — مصرعۂ کان ز شاہ بشنیدم
ناظم این گہر دوائی تو — در رہ بندگی فدائی تو

حکیم عین الملک نے بریلی کے مرزائی محلہ میں ایک مسجد بنوائی تھی جس پر ایک کتبہ ہے جس سے ۹۸۰ھ تاریخ نکلتی ہے۔

حکیم نورالدین محمد بڑی علمی دستگاہ رکھتا تھا، اس کی حسب ذیل طبی و غیر طبی کتابیں ملتی ہیں:

۱۔ الفاظ الادویہ، یہ کتاب ۱۰۳۸ھ تصنیف ہوئی، اور شاہ جہاں کے نام پر لکھی گئی۔ اور "الفاظ ادویہ" سے تاریخ (۱۰۳۸) نکلتی ہے جیسا کہ اس بیت میں ہے:

دارد کتاب ما چو دواہای وافیہ
تاریخ و نام نیز شد الفاظ ادویہ

الفاظ الادویہ مقدمہ، نتیجہ اور خاتمے پر مشتمل ہے۔
مقدمہ چار فایدے میں منقسم ہے۔

فایدۂ اول در بیان تصحیح اعراب و علامات آں
فایدۂ دوم در بیان علامات زبان ہر دیار
فایدۂ سوم در تحقیق طبایع و درجات آں
فایدۂ چہارم در بیان مختار و شربت و مصلح و بدل دوا و علامات
نتیجہ در ذکر الفاظ دوا۔

خاتمہ در بیان ادویۂ ستہ کثیر النفعت، اور اس کے ذیل میں پازہر، مومیائی، چوب چینی، چاے، قہوہ اور تنباکو کی تشریح کی ہے، تنباکو کے بارے میں لکھا ہے کہ ہندی میں اس کو بجر بھنگ کہتے ہیں، اکبر بادشاہ کے خاتمے اور جہانگیر کے ابتداے جلوس ۱۰۱۴ھ میں تنباکو دیار فرنگ سے یہاں آیا۔ اور اب سارے ہندوستان میں متداول ہے۔ ضمناً عرض ہے کہ اسد بیگ قزوینی نے اپنی تالیف "واقعات اسد بیگ قزوینی" میں

تشریح کی ہے کہ تنباکو بیجا پور سے ۱۰۱۴ھ میں آگرہ لایا اور یہیں اس کی آزمائش کی گئی، خود بادشاہ کے سامنے یہ واقعہ رونما ہوا، لیکن یہ بات جہانگیر کے جلوس سے قبل کی ہے۔

"الفاظ الادویہ" نول کشور پریس لکھنؤ میں ۱۸۸۱ء میں چھپ چکی ہے، اور اس کے نسخے کثرت سے ملتے ہیں۔

۲۔ تشریح الادویہ، مشتمل ہے۔ دواؤں کے نام پر، جو یونانی، عربی، ترکی، فارسی، ہندی کتابوں میں ملتے ہیں، یہ نام حروف تہجی سے جمع ہوئے ہیں، کراچی میوزیم میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

۳۔ طب داراشکوہی' ۱۰۵۶ میں داراشکوہ کے نام پر لکھی گئی، اس میں ایک مفتاح، ۲۴ مقالے اور دس گفتار ہیں، یہ کتاب علاجات داراشکوہ کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ اس کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں۔

۴۔ قسطاس الاطبا ۱۰۴۰ھ میں خان زمان خاں بن مہابت خان کے لیے ۱۰۴۰ھ میں مرتب ہوئی۔ ادویہ کے نام ۲۷ تعلیق میں حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہوئے ہیں

۱؎ فہرست مشترک ج ۱ ص ۴۹۰۔ ۴۹۱ اس کے ۲۹ نسخوں کا ذکر ہے۔ ۲؎ ایضاً ص ۵۳۲۔

۳؎ ایضاً ص ۶۲۵۔

۴؎ اس کا نام امان اللہ حسینی ولد مہابت خاں ہے، جہانگیر نے اپنی حکومت کے سترہویں سال اس کو سہ ہزاری منصب اور خانزاد خاں کے خطاب سے سرفراز کیا، جب مہابت خاں بنگال کا صوبے دار مقرر ہوا تو اسے کابل سے بلا کر باپ کے پاس بھیجا گیا۔ مہابت خاں کے معرض عتاب میں آنے کے بعد بنگال کا صوبے دار بنا، شاہ جہاں کے پہلے سال جلوس میں وہ لاہور میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، شاہ جہاں نے پانچ ہزار سوار کے منصب اور خان زمان کے خطاب سے نوازا اور مالوے کا صوبے دار بنایا، ۱۰۴۷ھ میں وفات پائی، (ماثر الامراء ج ۱ ص ۳۰، بعد) وہ مختلف کتابوں کا مصنف ہیں، جن میں چند یہ ہیں:

رقعات امانی (تخلص، امان اللہ)، طبی تصانیف: ام العلاج، دستور الہنود، گنج بادآورد، مفتاح الحدود، اس کے دیوان کا ذکر بعض جگہ ملتا ہے۔

اس کے چند نسخے پائے جاتے ہیں[1]

۵۔ لطیفۂ فیاضی ۔ یہ فیضی کے رقعات کا مجموعہ ہے جس کو حکیم نورالدین محمد نے جمع کیا تھا، حکیم مذکور فیضی کا بھانجا تھا اور یہ رقعات جمع کر کے اس نے عزیزداری کا حق ادا کیا ہے، مقدمۂ کتاب[2] میں لکھتا ہے :

> ازانجا کہ ایں کمترین نسبت خواہرزادگی وتلمذی بل فرزندی بحضرات مذکور (فیضی، ابوالفضل، ابوالخیر) دارد (ص ۶۲)

خط کے دوسرے حصے میں غالب نے نشستن کے معنی کی بحث چھیڑی ہے، اس کے معنی پاخانہ کرنے کے ہیں، پھر اس کی وضاحت میں صائب کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

دراصل نشستن کے منجملہ چند معنی کے یہ معنی بھی آیا ہے، مثلاً فرہنگ معین میں ہے،

۷۔ بہ مستراح رفتن، تخلیہ "بیمار ہر روز پنجاہ شصت باری نشست" (چہار مقالہ)

ڈاکٹر معین نے چہار مقالے[3] کا جملہ بطور شاہد نقل کیا ہے، دراصل یہ جملہ ایک دلچسپ حکایت سے ماخوذ ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :

بختیشوع[4] یکی از نصارا ے بغداد بود، طبیبی حاذق ومشفقی صادق بود، ومرتب بخدمت مامون، مگر از بنی ہاشم از اقربار مامون یکی را اسہال افتاد، مامون را بدان قریب دل بستگی تمام بود، بختیشوع را فرستاد تا معالجت او بکند، او برپای خاست وجان برمیان بست از جہت مامون، او با نواع معالجت کرد، ہیچ سود نداشت واز نوادر معالجات آنچہ یاد داشت

---

[1] دیکھیے فہرست مشترک ج ۱ ص ۶۹۲

[2] یہ کتاب ڈاکٹر ارشد صاحب کی ترتیب وتصحیح سے لاہور سے شائع ہو چکی۔

[3] تصنیف نظامی عروضی سمرقندی، چاپ بریل، تصحیح محمد قزوینی، ۱۹۰۹ء، مقالۂ چہارم در علم طب و ہدایت طبیب ص ۲، ۳،

[4] بن جبریل بن بختیشوع (م: ۲۵۶) طبیب مامون۔

بکرد البتہ فایدت نکرد و کار از دست بشد و از مامون خجل می بود و مامون بجای آورد مگر خدای عزوجل نمی خواہد بقضا رضا دہ کہ ما دادیم، بختیشوع چوں ماموں را مایوس دید گفت: یک معالجت دیگر ماندہ است باقبال امیرالمومنین بکنم، اگرچہ مخاطرہ است اما باشد کہ باری تعالی راست آرد و بیمار ہر روز پنجاہ شصت بار می نشست، پس مسہل بساخت و بہ بیمار داد، آں روز کہ مسہل خورد زیادت شد، دیگر روز باز ایستاد، اطبا ازو سوال کردند کہ ایں چہ مخاطرہ بود کہ تو کردی، جواب داد کہ مادت ایں اسہال از دماغ بود و تا از دماغ فرود نیامدی ایں اسہال منقطع نگشتی و من ترسیدم کہ اگر مسہل دہم نباید کہ قوت اسہال و فانکند، چوں دل برگرفتند گفتم آخر در مسہل امیدلست و در نا دادن ہیچ امید نہ، بدادم و توکل برخدای کردم کہ او توانا ست، باری تعالی توفیق داد و نیکو شد و قیاس درست آمد زیرا کہ در مسہل نا دادن مرگ متوقع است و در مسہل دادن مرگ و زندگانی ہر دو متوقع بود، مسہل دادن اولیتر دیدم۔

(بختیشوع بغداد کا ایک تھا، وہ ایک حاذق طبیب اور سچا مشفق تھا، اور برابر مامون کی خدمت میں رہتا تھا۔ اتفاقاً بنی ہاشم میں مامون کے ایک عزیز کو مرض اسہال لاحق ہوا، مامون کو اس عزیز سے بڑا تعلق خاطر تھا، بختیشوع کو بھیجا کہ وہ اس بیمار کا علاج کرے، وہ تیار ہوا اور مامون کی وجہ سے بڑی توجہ شروع کی، طرح طرح کے علاج کیے مگر مفید نہ ہوئے، یہاں تک کہ اس کے علم میں جو بہترین علاج تھا، اس سے بھی کوئی فایدہ نہ ہوا، بڑی بے چارگی کی صورت ہوئی، طبیب مامون سے بھی بڑا شرمندہ تھا، مامون نے سمجھایا، شاید خدا کی مرضی ہی نہیں، جس طرح ہم خدا کے حکم پر راضی ہیں تم بھی راضی ہو جاؤ۔ بختیشوع نے جب مامون کو مایوس دیکھا تو کہا کہ ایک علاج باقی رہ گیا ہے۔ امیرالمومنین کے اقبال سے اسے بھی کرتا ہوں اگرچہ علاج خطرناک ہے لیکن ہو سکتا ہے باری تعالی شفا دیدے بیمار کو ہر روز پچاس ساٹھ دست آتے تھے، آخر اس نے مسہل تیار کیا اور

بیمار کو دیا، جس روز مسہل دیا دست زیادہ ہوئے۔ دوسرے روز بند ہوگئے۔ اطبا نے اس سے سوال کیا کہ تم نے کیا خطرناک اقدام کیا، اس نے جواب دیا کہ اس اسہال کا مادہ دماغ سے تھا۔ اور جب تک دماغ یہ مادہ نہ نکلتا اسہال نہ رکتا، مسہل دیتے وقت میں ڈرا، مبادا مریض مسہل کی تاب نہ لا سکے، آخر فیصلہ کیا کہ مسہل دینے میں امید ہے اور نہ دینے میں کوئی امید نہیں، مسہل دیا اور خدا پر توکل کیا کہ وہ توانا ہے۔ باری تعالیٰ کی عنایت ہوئی اور مریض اچھا ہوگیا اور میرا قیاس درست ثابت ہوا اس لیے کہ مسہل نہ دینے میں موت متوقع تھی اور دینے میں موت اور زندگی دونوں کی توقع، اس بنا پر مسہل دینے کو بہتر جانا)۔

سلاجقہ اور غالب دہلوی کے جدِّ اعلیٰ

سلطان برکیارق سلجوقی

مرزا غالب دہلوی نے اپنی ایک طویل تحریر میں اپنے کو سلجوقی ترک اور اپنے جدّ اعلیٰ کا نام سلطان برکیارق لکھا ہے، خود غالب کے الفاظ یہ ہیں:

"اسداللہ خان غالب تخلص، قوم کا ترک سلجوقی، سلطان برکیارق سلجوقی کی اولاد میں ہے، اس کا دادا قوقان بیگ خان شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے دلّی آیا۔ الخ"

اگرچہ معلوم نہیں کہ غالب نے کس بنیاد پر اپنے کو سلجوقی اور اپنے جدّ اعلیٰ کو سلطان برکیارق بتایا ہے، لیکن ان کا قول کسی ٹھوس حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے جدّ کا نام برکیارق لکھا ہے جو اسلامی نام نہیں، ترکی نام ہے، اور خود ترکی میں یہ نام عام نہیں، ایسے عجیب وغریب نام کا اندراج ماخذ کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ غالب نے سلجوق خاندان کے مشہور سلاطین کو نظر انداز کر کے نسبتاً غیر معروف برکیارق کو اپنا جدّ اعلیٰ قرار دیا ہے، اگر نسبت حقیقت پر مبنی نہ ہو تو مشہور ترین شخصیت کی طرف انتساب قدرتی امر ہے، سلجوق خاندان کے سلاطین میں الپ ارسلان، ملک شاہ اور سنجر کافی مشہور ہیں، ان میں سب کو نظر انداز کر کے ملک شاہ کے بیٹے سلطان برکیارق کو اپنا جدّ اعلیٰ قرار دینا غالب کے قول کے مستند ہونے کی دلیل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کے پیش نظر کوئی معتبر سند رہی ہوگی، اسی بنا پر ان کا یہ قول میرے نزدیک سند کا درجہ رکھتا ہے۔

سلجوقیوں کو سلاجقہ بھی کہتے ہیں، یہ ترک خاندان ہے جس نے ایران اور مغربی ایشیا

میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی تھی، سلاجقہ کی یہ حکومت تقریباً پونے تین سو سال تک قائم رہی، یعنی ۴۲۹ھ تا ۷۰۰ھ، سلاجقہ کے ظہور سے تمام اسلامی حکومتوں کو سخت دھکا پہنچا انہیں کی وجہ سے غزنویوں کی بڑھتی طاقت رک گئی، خلفائے عباسی بھی ان کی زد میں آئے بغیر نہ رہ سکے مصر کی فاطمی حکومت سے اگرچہ ان کا براہ راست مقابلہ نہ ہوا پھر بھی وہ سلجوقیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، غرض مشرق میں ہندوستان کی سرحد سے لے کر مغرب میں بحر روم کے ساحل تک کے سارے خطے سلاجقہ کے زیر اثر آچکے تھے۔

سلاجقہ سلجوق بن دقاق کی اولاد میں تھے، ترکوں کا یہ قبیلہ اگرچہ بدوی تھا مگر بہت جنگجو اور امیر تھا، وہ گلہ بان تھے، اور گلہ بانی سے وہ بڑی دولت اور ثروت کے مالک ہو گئے تھے ترکستان میں اس قبیلے کے افراد زیادہ ہوئے اور زمین ان کے لیے تنگ ہوئی تو انہوں نے بخارا[1] اور سمرقند کی طرف کوچ کر لیا، یہ خطہ ایلک[2] خاں کے قلمرو میں تھا، جب وہ ان کی پیشقدمی کو روک نہ سکا، تو اس نے سلطان محمود غزنوی کو لکھا کہ اگر ترکوں کی پیشقدمی نہ رکی تو اس سے غزنویوں اور ایلک خانیوں دونوں کو خطرہ لاحق ہو جائے گا اس پر محمود غزنوی نے ایک ہوشیار سفیر سلجوقیوں کے پاس روانہ کیا جس نے اپنی شاطرانہ چال سے ان کے سردار اسرائیل کو محمود کی خدمت میں حاضری کے لیے راضی کر لیا، وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ محمود سے ملنے آرہا تھا کہ محمود نے پھر ایک شاطرانہ چال چلی اور اس کو مختصر سے رفقا کے ساتھ اپنے پاس آنے کی دعوت دی جب اسرائیل سلجوقی کا مختصر سا قافلہ محمود کے دربار میں وارد ہوا تو محمود نے بڑی غداری کی اور اسرائیل سلجوقی کو مع اس کے ساتھیوں کے قید کر لیا، اور اسرائیل کو ہندوستان میں قلعہ کالنجر[5] میں محبوس کر دیا، جہاں وہ سات سال تک قید رہا اور اسی قید کی حالت میں اس کی وفات ہوئی جب

ح۱: معزی کہتا ہے: گوہر سلجوق کز نور بخارا در رسید   ہم بہ مشرق ہم بہ مغرب نور ازان گوہر رسید

ح۲: ایلک خان ماوراء النہر کے ترک حکمران سے تعلق رکھتا تھا حکمرانوں کا یہ خاندان ایلک خانیان یا خانیہ افراسیابیہ کے نام سے مشہور ہے ایلک خان مذکور کا نام نصر بن علی بن موسی ترک تھا جس نے ۳۸۳ھ سے ۴۰۳ھ تک حکومت کی ہے، محمود غزنوی سے ایلک کی صلح ۳۹۷ھ میں ہوئی، دوبارہ ایلک کے جانشین قدرخان سے ۴۱۵ یا ۴۱۹ھ میں ہوئی (راحۃ الصدور ص ۸۷ ح) ح۳ سلجوق کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ح۴: راحۃ الصدور ص ۹۰۔

ح۵: یہ کالنجر مغربی ہندوستان میں تھا، اکثر سیاسی قیدی اسی قلعہ میں بھیجے جاتے تھے، سلطان محمود نے اپنے وزیر حسن میمندی کو بھی قید کیا تھا

اسرائیل کے بھائیوں اور اہل خاندان کو اس کی وفات کی خبر ملی تو وہ بہت متفکر ہوئے [۱] اور محمود غزنوی کی غداری کا بدلہ لینے کی ٹھان لی،

اسی درمیان سلجوقیوں نے سلطان محمود غزنوی کی اجازت سے جیحون پار کر لیا اور خراسان [۲] میں پھیل گئے، سلطان کے مشہور سپہ سالار ارسلان جاذب نے ہر چند منع کیا لیکن محمود نے بہر حال سلجوقیوں کو خراسان آنے کا موقع دے دیا۔

سلجوقیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی طاقت مستحکم کر لی یہاں تک کہ خراسان کے بعض شہروں میں ان کے مضبوط [۴] قلعے بن گئے، محمود غزنوی کو ان کی طرف سے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے ان کی سرکوبی کے لیے سپہدار [۳] طوس ارسلان جاذب کو مامور کیا، مصنف زین الاخبار کے بقول [۵] ۴۱۸ھ [۶] میں ارسلان جاذب نے ترکوں پر حملہ کیا لیکن ترکوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور ارسلان جاذب سے کچھ نہ بن پڑا دونوں طرف سے بہت لوگ مارے گئے مگر ترکوں کا پلہ بھاری رہا" مجبور ہو کر ارسلان جاذب نے سلطان کو بنفس نفیس مہم میں شرکت کی دعوت دی، ۴۱۹ھ [۷] میں محمود خود ایک لشکر جرار کے ساتھ ترکوں پر حملہ آور ہوا سلطان کو اس حملے میں کامیابی ہوئی، اور ترک لشکر [۹] پسپا ہو کر کوہ بلخان [۱۰] اور دھستان [۱۱] کی طرف چلا گیا۔

۴۲۱ھ میں محمود کی وفات ہوئی، تو اس کے جانشین سلطان مسعود سے ترکوں کی آویزش شروع ہوئی، سلطان مسعود ۴۲۶ھ [۱۲] میں نیشاپور آیا اور ترکوں سے مقابلے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کیا، اس لشکر کا سردار حاجب بکتغدی [۱۳] اور کدخدا خواجہ حسین [۱۴] علی میکائیل تھا، اس لشکر [۱۵] میں

---

۱ : اس سلسلے کی تفصیلات کے لیے دیکھئے راحۃ الصدور ص ۹۰-۹۲ ۲ : دیکھئے زین الاخبار گردیزی ص ۱۹۰، سلجوقی ترک خراسان میں خصوصاً بیابان سرخس و بیابان فراوہ (از اعمال نسا) و باورد وغیرہ میں آ بسے تھے۔

۳ : سپہدار طوس ابو الحارث ارسلان جاذب وہی امیر تھا جو شاہ نامۂ فردوسی میں بحیثیت مشوق فردوسی مذکور ہے، دیکھئے راقم السطور کا مضمون بعنوان ارسلان جاذب نذر زیدی مرتبہ مالک رام دہلی ۱۹۸۰۔ زین الاخبار ص ۱۹۰ میں درج ہے کہ اس نے سلطان سے اس بارہ میں بڑی تند خوئی سے گفتگو کی تھی۔ " این ترکمانان را اندر ولایت چرا آوردی؟ این خطا بود کہ کردی اکنون کہ آوردی ہمہ را بکش یا بمن دہ کہ تا انگشتہای نرایشان ببرم تا تیر نتوانند انداخت" (ان ترکمانوں کو اپنی مملکت میں کیوں آنے دیا یہ بھی بڑی غلطی ہے جو آپ سے ہوئی، اب جبکہ انہیں لے ہی آیا ہے تو سبھوں کو قتل کر دے، یا مجھے دے دے کہ میں ان کے انگوٹھے کاٹ ڈالوں جس سے وہ تیر نہ چلا سکیں) ۴ : مقامی آبادی بھی ان سے پریشان رہتی، دیکھئے زین الاخبار ص ۱۹۲ ۵ : ایضاً ۶ : ایضاً ۷ : مطبوعہ زین الاخبار ۱۹۲ میں اشتباہاً "سنہ ثمان و اربعمائۃ" ہے ۸ : ایضاً

۹ : زین الاخبار ۱۹۲ میں ہے کہ ترکمانوں کے چار ہزار مشہور سوار مارے گئے۔ ۱۰ : ابیورد کے پیچھے ہے (زین حاشیہ ۱۹۲) ۱۱ : شمالی ایران میں دہستان جرجان مراد ہے (زین حاشیہ ۱۹۲) ۱۲ : زین الاخبار میں تاریخ درج نہیں، بیہقی سے یہ تاریخ لی گئی ہے۔ ۱۳ : دیکھئے زین الاخبار ص ۱۹۹، ۲۰۰، نیز بیہقی صفحات متعلق، ۱۴ : نام حسین بن علی بن میکائیل ہے، رک، زین الاخبار ۱۹۹۔ ۱۵ : یہ تفصیل تاریخ بیہقی میں ہے۔

۵ ہزار سوار اور دو ہزار غلام "سرائی" تھے، بقول گردیزی اس لشکر کو شکست ہوئی، بکتغدی بھاگ نکلا۔ لیکن بیکا ئیکل گرفتار ہوا، اور ۴۴۴ھ یعنی زین الاخبار کی تاریخ تالیف تک وہ ترکمانوں کی قید میں تھا۔ اس فتح کے بعد ترکوں نے مسعود کو خط لکھا، اور دونوں میں مصالحت ہوئی، اس کی رو سے ولایت نسا، فراوہ اور دہستان پر ترکوں کا قبضہ بحال رکھا گیا، اس کے بعد مسعود ہندوستان میں ہانسی کی مہم پر چلا گیا، واپسی پر معلوم ہوا کہ سلجوقیوں کی قوت کافی بڑھ چکی ہے، اور خراسان کے اطراف پران کا پوری طرح سے قبضہ ہو چکا ہے خراسان کی ابتری دیکھ کر مسعود کو بڑا رنج ہوا اور ہانسی کی مہم پر جانے سے پشیمان ہوا۔ آخرکار ہندوستان سے واپسی پر مسعود نے حاجب بزرگ سباشی کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر سلجوقیوں سے نمٹنے کے لیے بھیجا، سرخس کے مقام پر سلجوقیوں سے آخر شعبان ۴۲۹ میں مقابلہ ہوا، مسعود کی فوج ہاری، اور جنگ میں حاجب بزرگ مجروح ہوا، راحۃ الصدور میں چند جملوں میں اختصار کے ساتھ اس جنگ کا ذکر ہے:

'امیر خراسان (حاجب سباشی) برخاست ولشکر بیاراست، مصاف کشیدن ہمان بود و ہزیمت شدن ہمان، سلجوقیان چون این مصاف بشکستند جراتی تمام یافتند و عظمتی عظیم و در خراسان بپراگندند، و طغرل بک بہ نشاپور آمد و بہ شادیاخ بر تخت مسعود نشست، مردم مضطرب شدند، منادی فرمود کہ کس را نرنجانند'

(امیر خراسان (حاجب سباشی) تیار ہوا، لشکر آراستہ کیا، لیکن جنگ شروع ہوتے ہی شکست کا منہ دیکھنا پڑا، سلجوقیوں نے جب یہ جنگ جیتی تو نہ صرف ان کا حوصلہ بڑھا بلکہ ان کی حشمت میں بھی اضافہ ہوا، اور وہ سارے خراسان میں پھیل گئے، طغرل بک نیشاپور آیا، اور شادیاخ میں مسعود کے تخت پر بیٹھا'

ح۱ : زین الاخبار ص ۱۹۹ ـ ۲۰۰   ح۲ : رک : تاریخ بیہقی ص ۶۰۸ بحوالہ راحۃ الصدور ص ۹۵ ح

ح۳ : زین الاخبار میں اس حملہ کی تاریخ ۴۲۷ھ (ص ۲۰۰) اور فتح ہانسی کی تاریخ ۴۲۸ھ (ص ۲۰۱)

ح۴ : بیہقی چاپ شہد ص ۵۲۵

ح۵ : بیہقی ص ۵۲۳ میں ہے کہ سباشی کو ۴۲۹ میں سرخس کی جنگ میں شکست ہوئی۔ نیز دیکھئے ایضاً ص ۶۸۴

لوگ اس خبر سے دہشت زدہ ہوئے لیکن اس نے اعلان کرایا کہ کسی شخص کو ایذا نہ پہنچائی جائے)

سلجوقیوں کی حسب ذیل شاخ ہوئی ہے۔

۱۔ سلاجقۂ بزرگ[1] ۴۲۹ھ تا ۵۵۲ھ، ان کے حکمرانوں کے یہ نام ہیں

طغرل بک محمد بن میکائیل ۴۲۹ - ۴۵۵

الپ ارسلان محمد بن جغری بک ۴۵۵ - ۴۶۵

ملک شاہ بن الپ ارسلان ۴۶۵ - ۴۸۵

محمود بن ملک شاہ ۴۸۵

برکیارق بن ملک شاہ ۴۸۶ - ۴۹۸

محمد بن ملک شاہ ۴۹۸ - ۵۱۱

سنجر بن ملک شاہ ۵۱۱ - ۵۵۲

یہ سلسلہ خوارزمشاہیوں کے ہاتھوں ختم ہوا۔

۲۔ سلاجقۂ عراق ۵۱۱ - ۵۹۰

ان کے حکمرانوں کے یہ نام تھے۔

محمود بن محمد بن ملک شاہ ۵۱۱ھ

داؤد بن ملک شاہ ۵۲۵ھ

طغرل بن محمد بن ملک شاہ ۵۲۶ھ

مسعود بن محمد بن ملک شاہ ۵۲۷ھ

ملک شاہ بن محمود بن محمد ۵۴۷ھ

---

[1]: معزی نیشاپوری نے اپنے ایک قصیدہ میں سلاجقۂ بزرگ کا نام دہرایا ہے۔

گوہر سلجوق کز نور بخارا در رسید — ہم بہ مشرق ہم بہ مغرب نور ازان گوہر رسید
ابتدا از طغرل و چغری ور آمد کار ملک — نام ایشان در جہا نداری بہر کشور رسید
آنگہی بر تخت ہم بنشست شہ الپ ارسلان — بخشش جیش او بہ فغفور و خاقان قیصر رسید
بعد ازان سلطان ملکشہ در جہان شد بادشاہ — وز فلک منشور عدل و استقامت در رسید
بعد از او از برکیارق وز محمد مدتی — سقف ایران شہنشاہی بکیوان در رسید
ہم در آں مدت ز بہر راحت دامن جہان — نوبت شاہی بسلطان جہان سنجر رسید

محمد بن محمود بن محمد ۵۴۸

سلیمان بن محمد بن ملک شاہ ۵۵۴

ارسلان بن طغرل بن محمد ۵۵۶

طغرل بن ارسلان بن طغرل ۵۹۰

یہ سلسلہ خوارزم شاہیوں کے ہاتھوں ختم ہوا۔

۲۔ سلجوقیانِ ایشیائے کوچک، ۴۷۰ - ۷۰۰ھ

اس خاندان کے یہ حکمراں گزرے ہیں۔

سلیمان بن قتلمش بن اسرائیل ۴۷۰ھ

قلیج ارسلان داؤد ۴۸۵ھ

ملک شاہ ۵۰۰

مسعود ۵۱۰

قلیج ارسلان دوم ۵۵۱

ملک شاہ دوم ۵۸۴

کیخسرو ۵۸۸

سلیمان دوم ۵۹۷

قلیج ارسلان سوم ۶۰۰

کیخسرو (دوبارہ) ۶۰۱

کیکاوس ۶۰۷

کیقباد ۶۱۶

کیخسرو دوم ۶۳۴

کیکاوس دوم ۶۴۳

قلیج ارسلان چہارم ۶۶۵

کیخسرو سوم ۶۶۶

مسعود دوم ۶۸۲

کیقباد دوم ۶۹۶

یہ سلسلہ منگولوں کے ہاتھ ختم ہوا۔

۴۔ سلجوقیان شام ۴۸۷-۵۱۱، اس سلسلے کے یہ حکمراں تھے :

تتش بن الپ ارسلان ۴۸۷

رضوان بن تتش ۴۸۸ (حلب میں)

دقاق بن تتش ۴۸۸ تا ۴۹۷، (دمشق میں)

الپ ارسلان اخرس بن رضوان ۵۰۷

سلطان شاہ بن رضوان ۵۰۸-۵۱۱

یہ سلسلہ اتابکان بوری کے ہاتھوں ختم ہوا۔

۵۔ سلجوقیان کرمان ۴۳۳ تا ۵۸۳، اس سلسلے کے یہ حکمراں ہوئے ہیں:

قاورد بیگ ۴۳۳

کرمانشاہ ۴۶۵

حسین ۴۶۷

سلطان شاہ ۴۶۷

توران شاہ ۴۷۷

ایران شاہ ۴۹۰

ارسلان شاہ ۴۹۴

مغیث الدین محمد ۵۳۶

طغرل شاہ ۵۵۱

بہرامشاہ وارسلانشاہ دوم ۵۶۳
وترکان شاہ

محمد شاہ دوم ۵۸۳

اس سلسلے کا خاتمہ ترکانِ غز کے ہاتھوں[1] ہوا۔

ذیل میں سلاجقہ کے خانوادے کا مختصر سا شجرہ درج کیا جا رہا ہے تاکہ ان سلسلوں کے باہمی رشتے کا اندازہ ہو سکے:

سلاجقہ کے بارے میں ان چند امور کے ذکر کے بعد اب ہم میرزا غالب کے جدِ اعلیٰ برکیارق سلجوقی کے بارے میں مختصر یادداشت درج کرتے ہیں:

---

[1] یہ تفصیلات فرہنگ معین جلد ۵ سے لی گئی ہیں۔

سلطان رکن الدین ابوالمظفر برکیارق بن ملک شاہ بن الپ ارسلان، سلاجقۂ بزرگ کا چوتھا/ پانچواں[1] حکمراں گزرا ہے، سلجوقی خانوادے کا بانی سلجوق اس کا پانچواں جد تھا، ملاحظہ ہو:

برکیارق
|
ملک شاہ
|
الپ ارسلان
|
چغری بک
|
میکائیل
|
سلجوق

سلطان برکیارق کا باپ ملک شاہ سلجوقی خاندان کا سب سے جلیل القدر فرمانروا گزرا ہے اس نے اپنے ملک کو بڑی وسعت[2] دی، اس کا وزیر نظام الملک طوسی تھا جس کے تدبر شہرت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا تھا لیکن حکومت کے آخری سالوں میں سلطان اپنے وزیر سے برگشتہ ہو گیا، وجہ یہ تھی کہ سلطان کی ملکہ ترکان[3] خاتون بادشاہ کے مزاج میں بڑی دخیل تھی' وہ چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا محمود سلطان کا جانشین ہو، لیکن ابھی وہ چھوٹا تھا، وزیر برکیارق کے حق میں تھا، ترکان خاتون چاہتی تھی کہ نظام الملک کے بجائے تاج الملک ابوالغنایم پارسی وزیر بنا دیا جائے چنانچہ وہ کامیاب ہو گئی، اور سلطان نے اپنی حکومت کے آخری سال نہ صرف نظام الملک کو برطرف

ف۱ : راحۃ الصدور ص ۸۵ میں سلاطین کی فہرست میں اس کو چوتھا سلطان لکھا ہے، لیکن ڈاکٹر معین نے فرہنگ فارسی ج ۵ ص ۱۸ میں محمود کا نام سلاطین کی فہرست میں درج کر دیا (مع سال جلوس ۴۸۵ھ) ہے۔ اور برکیارق کی تاریخ ۴۸۷ھ لکھی، یہی تاریخ راحۃ الصدور (ص ۱۳۸) میں ہے۔ ف۲ : راحۃ الصدور ص ۱۲۸ - ۱۲۹ میں ایک قصہ درج ہے' جب ملک شاہ نے جیحوں پار کیا تو ملاحوں کی اجرت کا ڈرافٹ نظام الملک کے حکم سے انطاکیہ پر لکھ دیا گیا، ملاحوں نے سلطان سے شکایت کی کہ ہم روزمرہ روز کے کمانے والے ہیں، انطاکیہ جا کر ہم یہ اجرت کیونکر حاصل کر سکتے ہیں وہ اتنی دور ہے کہ اگر ہمارا جوان وہاں جائے تو بڈھا ہو کر واپس ہو، سلطان نے وزیر سے ملاحوں کا عذر بیان کیا، وزیر نے کہا کہ ان کے ڈرافٹ کے عوض میں ہم نقد رقم دے دیں گے' میں نے تو صرف اس غرض سے یہ ڈرافٹ بنوایا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ہماری سلطنت کی وسعت کتنی ہے۔ راحۃ الصدور کے الفاظ میں:

"بندہ این را از جہت تعظیم ملک و بسطت پادشاہی فرمود تا جہانیان بدانند کہ وسعت ملکت، و نفاذ حکم پادشاہ از کجا تا کجاست و تا قیامت در تاریخ بنویسند' و در بقا آن روزگار کہ وزرا چنان فاضل و دانا و عاقل و قوی تا بودند و کار وزارت این ساعت بشاگرد غلہ می آمدست۔ ف۳ : ترکان خاتون بنت ابوالمظفر عماد الدولہ ابراہیم طفقاج (طمغاج) خان بن نصر (۴۳۰ - ۴۶۰ھ) ملوک خانیہ ماوراء النہر کی بیٹی تھی

کیا، بلکہ شرف الملک مستوفی اور کمال الدین عارض کو بالترتیب ابوالفضل قمی اور ابوالمعالی[1] سے بدل دیا۔ اتفاق دیکھئے کہ اسی سال (۴۸۵ھ میں) نظام الملک ایک فدائی کے ہاتھوں شہید ہوا اور اسی سال ملک شاہ[2] نے بھی وفات پائی، لیکن باوجود اپنی تمام کوششوں اور سازشوں کے خاتون ترکان اپنے بیٹے[3] کے تخت نشین کرانے میں وقتی طور پر کامیاب تو ہو گئی لیکن سلطان برکیارق ہی مستقل طور پر اپنے باپ کا جانشین ہوا۔

سلطان برکیارق کا لقب رکن الدنیا والدین ابوالمظفر برکیارق بن ملک شاہ اور خطاب یمین[4] امیر المومنین تھا، وہ بہت وجیہ تھا، قد نہ بہت لمبا نہ چھوٹا، خط داڑھی سے ملا ہوا تھا، اس کی حکومت ۴۸۶ھ سے شروع ہوئی، ۱۲ سال تک وہ حکمراں رہا، عمر ۲۵ سال کی ہوئی گویا نوجوانی ہی میں (۴۹۸ھ میں) اس کا انتقال[5] ہو گیا تھا، اس کی ولادت دارالملک اصفہان میں محرم[6] ۴۷۴ھ میں ہوئی تھی، ماں کی بھی طرف سے وہ اصیل سلجوقی تھا، اس کی ماں زبیدہ خاتون تھی، وہ اس کے اپنے باپ ملک شاہ کے چچا امیر یاقوتی کی بیٹی اور امیر اسمٰعیل[7] کی بہن تھی، اس کی توقیع: اعتمادی علی اللہ (میرا بھروسہ اللہ پر ہے)۔

---

[1]: بلمعالی نحاس (م = ۵۱۲) عارض لشکر (ملک شاہ، برکیارق و محمد) نے اس سلسلے میں حسب ذیل قطعہ لکھا ہے۔

(راحۃ ص ۱۲۷)

زبوعلی بدواز بورضا و از بو سعد	شہا کہ شیر بہ پیش تو ہمچو میش آمد
دران زمانہ زہر کامدی بدرگہ تو	بشر ظفر و فتح نامہ بیش آمد
ز بلغنایم و بالفضل و بالمعالی باز	زبیم ملکت را نبات نیش آمد
گر از نظام و کمال و شرف تو سیر شدی	ز تاج و بد و سدیدت نگہ چہ پیش آمد

[2]: امیر معزی کا قطعہ ملاحظہ ہو۔ (راحۃ ص ۱۳۵)

رفت در یک مہ بفردوس برین دستور پیر	شاہ برنا از پس او رفت در ماہ دگر
کرد ناگہ قہر یزدان عجز سلطان آشکار	عجز سلطانی ببین و قہر یزدانی نگر

[3]: وہ صرف چند مہینے تخت پر رہا ہوگا، اس کی تاریخ جلوس ۴۸۵ ہے، اور برکیارق کی ۴۸۶۔

[4]: راحۃ الصدور ص ۱۳۸   [5]: ۴۹۸ھ میں (راحۃ ج)

[6]: ابن خلکان نے ولادت کی تاریخ ۴۷۱ھ لکھی ہے، اور سال وفات ۴۹۸ اور مدت عمر ۲۶ سال، اس حساب سے تاریخ ولادت ۴۷۲ قرار پاتی ہے دیکھئے راحۃ الصدور ص ۱۳۸ ح۔   [7]: وہ بھی ترکان خاتون کی سازش سے متاثر ہو کر برکیارق سے جو اس کا حقیقی بھانجا تھا برسرپیکار رہا اور بالآخر قتل ہوا (رک: راحۃ ص ۱۴۱-۱۴۲)

وہ اس حال میں اصفہان میں تھا، ترکان خاتون نے بغداد میں خلیفۂ بغداد سے گزارش[1] کی تھی کہ وہ
اس کے بیٹے محمود[2] بن ملک شاہ کے نام خطبہ جاری کرے، لیکن خلیفہ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ محمود تو ابھی
بچہ ہے، بادشاہی کے لائق نہیں۔

ترکان[3] خاتون بیٹے کو تخت نشین کرانے میں بڑی گرانقدر رقم خرچ کر رہی تھی، اس نے
ایک نئی چال چلی، خلیفۂ بغداد کا ایک نابالغ بیٹا مہ ملک خاتون کے پیٹ سے تھا، جس کا نام جعفر تھا
اس کی ماں ملک شاہ کی بہن[4] تھی، اس لحاظ سے وہ بچہ ترکان خاتون کا قریبی عزیز ہوا، اور وہ مہ ملک
ہی کی پرورش میں تھا، ترکان نے ملک شاہ کی زندگی میں یہ سازش کی کہ خلیفۂ بغداد (مقتدر باللہ) کے
ہوتے ہوئے اصفہان میں بازار لشکر میں بغداد کے مقابل دارالخلافہ اور حرم بنالیں اور امیر جعفر[5] کو
خلیفہ قرار دے دیں، خلیفہ اس واقعے سے باخبر تھا، ترکان نے اس کو خلیفہ کے پاس بھیجا، بالآخر خلیفہ
نے اس کے بیٹے محمود[6] کے نام خطبہ جاری کر دیا، پھر ترکان خاتون نے امیر کربوغا کو اصفہان روانہ کیا کہ
وہ برکیارق کو گرفتار کرلے، لیکن برکیارق کے وفادار غلاموں نے راتوں رات اسے شہر سے نکال کر
ساوہ اور آبہ اتابک گمشتگین جاندار کے پاس پہنچا دیا، گمشتگین سلطان کا اتابک رہ چکا تھا، وہ
اسے رے لے گیا اور وہیں تخت پر بٹھا دیا اور ابو مسلم رئیس نے سلطان کے سر پر تاج مرصع رکھا تھوڑے

ص۱ : راحۃ ص ۱۴۰ ص۲ : مشہور غالب شناس مالک رام صاحب نے ذکر غالب (پانچواں ایڈیشن) (ص ۲۰-۲۱) میں محمود
کو ملک شاہ کا بڑا قرار دیا ہے، مگر یہ سہو ہے، وہ برکیارق سے چھوٹا تھا، مثلاً دیکھئے راحۃ الصدور کی حسب ذیل عبارات:

"سلطان ملک شاہ پسری داشت از ترکان خاتون، نام او محمود، مادر میخواست کہ سلطان او را ولی عہد کند
و او سخت خرد بود و برکیارق کہ از زبیدہ خاتون بود بزرگتر فرزندان سلطان بود (راحۃ ص ۱۴۲)
نیز زبدۃ النصرۃ ص ۸۲، ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۱۴۵) چون ملک شاہ از دنیا برفت او (برکیارق) سیزدہ
سالہ بود و بزرگترین فرزندان بود و پدر او را ولایت عہد تعیین فرمودہ بود ... ، ترکان خاتون بغداد از امیرالمومنین خواست
تا محمود بن ملک شاہ را سلطنت دہد و بنام او خطبہ کند، امیرالمومنین اجابت نمی کرد و گفت پسر تو طفل است پادشاہی
را نشاید (راحۃ ۱۳۹)۔ برکیارق سے بڑا بیٹا احمد ولی عہد مقرر ہوا تھا مگر وہ ۴۸۱ھ میں فوت ہوا تو برکیارق
کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش ہوا، محمود ۴۸۷ھ میں فوت ہو گیا تھا، پہلے اس کی ماں ترکان مری، پھر محمود، محمود مرض چیچک میں مرا تھا
(راحۃ ص ۱۴۲) ص۳ : ۳ نحو سے پڑھنا چاہیے، یادداشتہای قزوینی ج ۱ ص ۱۲۔ ص۴ ابن الاثیر مہ ملک کو
سلطان کی بیٹی بتاتا ہے (ج ۱۰ ص ۱۴۲)

ص۵ : اس کی ولادت ۴۸۰ھ میں اور وفات ۴۸۲ھ میں ہوئی، راحۃ ۱۴۰ حاشیہ

ص۶ : راحۃ ص ۱۴۰۔

برکیارق کے وزرا و حجاب:

وزرا[۱]: ۱۔ عز الملک حسین[۲] بن نظام الملک، ۴۸۶ - ذی الحجہ ۴۸۷

۲۔ موید الملک ابوبکر[۳] بن نظام الملک، ۴۸۷ - ۴۸۸ کچھ اوپر دو ماہ

۳۔ فخر الملک[۴] بن نظام الملک، ۴۸۸ - ۴۹۰

۴۔ مجد الملک ابو الفضل[۵] قمی ۴۹۰ - ۴۹۲

۵۔ اعز الملک[۶] عبد الجلیل دھستانی ۴۹۲ - ۴۹۵

۶۔ ابو منصور[۷] محمد خطیر الدین میبدی ۴۹۵ - ۴۹۸

حجاب: الامیر الحاجب[۱] تماج

الحاجب طغان[۲] یرک

الحاجب عبد[۳] الملک

سلطان برکیارق خوشخو کریم، جواد، بردبار بادشاہ ہوا ہے، اس کے زمانے میں بڑے بڑے حادثات و واقعات رونما ہوئے ہیں، جب اس کا باپ سلطان ملکشاہ فوت ہوا تو وہ ۱۲ سال کا تھا چونکہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اس لیے ملک شاہ نے اسے ولی[۴] عہد مقرر کر رکھا تھا۔ اور

ع دیکھئے ایضاً ص ۱۱۵ ببعد   ۳ دیکھئے ایضاً ۱۵۰ ببعد   ۴ دیکھئے ایضاً ص ۲۰۲ ببعد معزی کے متعدد قصیدے اس کی مدح میں ہیں۔   ۵ دیکھئے ایضاً ص ۱۰۹ ببعد معزی کے تین قصیدے اور ایک ترکیب بند مجد الملک کی مدح میں ہیں۔   ۶ دیکھئے مثلاً سلاجقہ بزرگ (دکتر عباس اقبال) ص ۱۰۶ - ۱۰۸ معزی کا ایک قصیدہ اس کی تعریف میں ہے۔   ۷ دیکھئے ایضاً ص ۱۲۲ - ۱۲۸، معزی کے ۱۲ قصیدے اس کی مدح میں ہیں۔

ح ۱: راحۃ الصدور میں صرف پانچ وزیروں کا نام ملتا ہے، ابو منصور خطیر الدین محمد میبدی کو سلطان محمد کا وزیر بتایا ہے (ص ۱۵۲): مگر وزارت بزرگ[۱] تالیف عباس اقبال میں اس نام کا اضافہ ہے (ص ۱۷)، راحۃ الصدور میں وزرا کی تاریخ درج نہیں عباس اقبال کی کتاب سے یہ تاریخیں درج ہوئی ہیں۔ راحۃ میں مجد الملک قمی کا نام دھستانی کے بعد ہے، راحۃ الصدور میں تقریباً ہر سلطان کے ذیل میں وزرا و حجاب کا نام درج ہوا ہے، وزیر خواجۂ بزرگ، صدر، دستور، کہلاتا، اور سفر و حضر میں سلطان کا مصاحب ہوتا، اگر کسی وجہ سے وہ نہ ہوتا تو سلطان امیر حاجب کے ذریعہ پیغام وزیر کو پہنچاتا تھا (عباس اقبال ص ۲۳)   ح ۲: اس کا نام الپ ارسلان اور ملک شاہ دونوں کے زمانے میں ملتا ہے، راحۃ ص ۱۲۲، ۱۲۵۔   ح ۳ سلطان برکیارق کے بعد وہ سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ کا حاجب مقرر ہوا، رک: راحۃ ص ۲۰۳   ح ۴: یہ برکیارق اور محمد بن ملک شاہ دونوں کا حاجب تھا دیکھئے راحۃ ص ۱۲۹، ۱۵۳۔

ح ۵: ابن اثیر کے بقول ۴۸۰ میں ملک شاہ نے اپنے بڑے بیٹے احمد کو ولی عہد مقرر کیا تھا، وہ ۴۸۱ میں فوت ہوا تو پھر برکیارق ولی عہد مقرر ہوا۔ ذیل حوادث ۴۸۰، ج ۱۰، ص ۱۱۲۔

عرصے میں دررَے پر تقریباً بیس مرد جمع ہوگئے۔ ادھر ترکان خاتون اپنے بیٹے کے ساتھ اصفہان پہنچی اور قلعہ بند ہوگئی[1]، مگر ابن الاثیر (۱۰ - ۱۴۶) کے بقول اس سے قبل ترکان خاتون نے برکیارق سے جنگ کرنے ایک فوج بھیجی تھی، بروجرد کے قریب ذی الحجہ ۴۸۵ھ میں دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا، ترکان خاتون کی فوج اس جنگ میں ہار گئی۔

برکیارق بھی اصفہان پہنچ گیا، ترکان خاتون بیدریغ دولت لٹا رہی تھی کہ کسی طرح برکیارق کو دفع کر دے، مجد الملک قمی اور تاج الملک[2] ابو الغنائم اس کے مدبر اور پیش کار تھے۔ امیر سپہ سالار[3] اُنَر اور بلکابک[4] نے طے کیا کہ برکیارق کو باپ کی میراث سے پانچ سو ہزار دینار دیئے جائیں تاکہ وہ یہاں سے دست کش ہو جائے۔ رقم دیئے جانے کے بعد برکیارق ہمدان آیا، ادھر ترکان خاتون نے برکیارق کے ماموں ملک اسمٰعیل کو ورغلایا کہ اگر وہ برکیارق کو راستے سے ہٹا دے تو وہ اس سے شادی کرنے کو تیار ہے، اس طرح وہ سارے اسباب جنگ سے لیس ہو کر کرج کے نواح میں ۴۸۶ کے شروع میں برکیارق سے نبرد آزما ہوا، مگر بدقسمتی سے ملک اسمٰعیل کو شکست ہوئی۔ پھر وہ اسی سال رجب کے مہینے میں اپنی بہن زبیدہ خاتون، اور برکیارق کے پاس آیا[5]، سلطان نے رمضان میں اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ انہیں دنوں برکیارق کے چچا تتش پسر سلطان ارسلان نے کہستان میں سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، سلطان برکیارق تھوڑے لشکر کے ساتھ تتش سے مقابلے کے ارادے سے اصفہان آیا، اسی درمیان اس کو یہ اطلاع ملی کہ ترکان خاتون، رمضان ۴۸۷ھ[6] میں فوت ہوگئی۔

سلطان برکیارق تتش کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، مجبوراً اپنے بھائی محمود سے صلح کر لی اُنَر اور بلکابک وہاں خدمت میں تھے، موقع دیکھ کر انہوں نے برکیارق کو کوشک میدان میں قید کر لیا، اور وہ اس بات پر متفق ہوگئے کہ برکیارق کے آنکھ میں سلائی پھروا دی جائے۔ اتفاق

[1]: راحۃ ص ۱۴۰۔ [2]: اس کی مدح میں معزی کے کئی قصیدے ہیں، بو طاہر خاتونی نے اس کی ہجو میں قطعہ لکھا ہے: راحۃ ص ۱۴۰ بو طاہر سلطان محمد بن ملک شاہ کی زوجہ گوہر خاتون کا مستوفی تھا، اسی خاتون کی نسبت سے وہ خاتونی کہلاتا ہے، لک: لباب الالباب عوفی، مقدمہ از میرزا محمد قزوینی؛ اس کے خط میں ایک شکار نامہ تھا (راحۃ ۱۲۱)۔ [3]: ولادت ۴۳۹ قتل ۴۸۶، ملک شاہ کے دیوان طغرا و انشا کا رئیس تھا، حالات کے لیے دیکھئے وزرائے سلاجقہ بزرگ ص ۹۲ بعد، معزی کے متعدد قصیدے اس کی مدح میں ہیں۔

[4]: دیکھئے راحۃ الصدور ص ۱۲۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۵ [5]: ایضاً ص ۱۴۱-۱۴۲ [6]: راحۃ ص ۱۴۲

[7]: راحۃ ص ۱۴۲۔

ایسا ہوا کہ انہیں دنوں محمود کو چیچک نکل آئی، تو برکیارق کے اندھا کرنے کا فیصلہ ملتوی رکھا گیا۔ محمود ہفتہ بھر میں فوت ہو گیا، اب برکیارق کو تخت نشین کرانے کا فیصلہ ہو گیا، اور اس کو حبس سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اسی درمیان موید الملک پسر نظام الملک طوسی خراسان سے آیا۔ اور وزارت کے عہدے[1] پر فائز کیا گیا۔

انہیں دنوں برکیارق بھی مرض چیچک میں مبتلا ہو گیا، جب اس کو شفا ہوئی تو لشکر جمع کیا اور اپنے چچا تتش سے لڑنے ماہ صفر ۴۸۸ میں[2] ہمدان پہنچا۔ اور اپنے چچا کو شکست دی۔ کچھ ہی دنوں بعد نظام الملک کا دوسرا بیٹا فخر الملک[3] خراسان سے آیا، اس نے بیش قیمت تحائف سلطان کی خدمت میں پیش کئے اس کے صلے میں اس کو وزارت کا عہدہ سپرد کیا گیا اسی سال اسمٰعیل فدائی نے برکیارق پر حملہ کیا اور اسے زخمی کر ڈالا، سلطان بچ گیا، جب شفا پائی تو اپنے چچا ارسلان ارغون سے مقابلے کے ارادے سے ۴۸۹ھ میں خراسان کی طرف چل پڑا، ارسلان ارغون کی طرف سے اسے بڑا خطرہ تھا، اس لیے کہ وہ بڑا جنگجو اور دلیر تھا، ساتھ ہی اس کے ساتھ ایک بڑا لشکر بھی تھا، لیکن اتفاق دیکھئے کہ برکیارق کے پہنچنے سے پہلے ایک غلام نے مرو میں ارسلان ارغون کا کام کر دیا، اور اس کا سارا اسباب ساز و سامان برکیارق کے ہاتھ لگا۔ پھر برکیارق ترمذ آیا، وہاں بھی بہت سا سامان اس کے ہاتھ لگا، پھر اس نے اپنے بھائی ملک سنجر کو خراسان[4] کا امیر مقرر کیا، اور وہ عراق کی طرف متوجہ ہوا۔ جب برکیارق خراسان میں تھا تو موید الملک وزارت سے معزول ہو گیا تھا، وہ اُنَر سے مل گیا اور اس کو بہکایا کہ سلطان ملک شاہ مرحوم اس کو اپنا بیٹا سمجھتا تھا، اور فی الحال تیرا وقار سپاہ و رعیت میں برکیارق سے زیادہ ہے، وہ تیرے دوست اور بہی خواہ ہیں، تو تخت پر بیٹھ جا، اور صرف ایک فتح حاصل ہونے کے بعد ساری دنیا تیری مطیع ہو جائے گی، اُنَر معزول وزیر

ح۱ ، راحۃ ص ۱۴۳ ح۲ : تتش اس جنگ میں قتل ہو گیا، ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۱۶۶ - ۱۶۷۔ راحۃ الصدور میں اس کے قتل ہونے کا ذکر نہیں، البتہ حاشیہ میں ابن الاثیر کے حوالے سے اس کا ذکر ہے۔

ح۳ : نظام الملک طوسی کا بیٹا تھا، برکیارق کے یہاں ۴۸۸ تا ۴۹۰ وزیر رہا ہے۔

ح۴ : سلطان برکیارق جب اپنے چچا ارسلان ارغون کے مقابلے کے لیے خراسان جا رہا تھا تو سلطان سنجر ساتھ تھا۔ (راحۃ ص ۱۴۳)

کے بہلاوے میں آگیا، اور برکیارق ابھی خراسان ہی میں تھا کہ اُنزبغاوت کے ارادے سے اصفہان سے رے کی طرف بڑھا، لیکن کارکنان قضا و قدر کے فیصلے کچھ اور ہی تھے، نواحی ساوۂ میں ایک باطنی کے ہاتھوں وہ قتل ہو گیا، موید الملک سلطان محمد بن ملک شاہ کے پاس گنجہ گیا اور اس کو سلطنت کے حصول پر راضی کر لیا، سلطان محمد تھوڑی سی فوج کے ساتھ شوال ۴۹۲ھ میں گنجہ سے روانہ ہوا، سلطان برکیارق خراسان سے کہستان آیا، مجد الملک ابوالفضل قمی مستوفی سلطان کی خدمت میں تھا، انہیں دنوں اینانج بیغو اور اسفہسالار برسق کے بیٹے باغی ہو گئے، انہوں نے مجد الملک قمی کا سر طلب کیا، لیکن سلطان اس پر راضی نہ ہوا، آخر کار باغیوں نے بارگاہ اور شاہی خزانہ لوٹ لیا۔ اور مجد الملک کو پکڑ کر پارہ پارہ کر دیا، سلطان برکیارق بارگاہ سے نکلا اور اینانج بیغو آخر یک کے پاس پہنچا اور اس کے واسطے سے بلوائیوں پر قابو پانے کی کوشش کی، مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا، برکیارق کو بھاگنا پڑا۔ اور وہ دس پندرہ خاص میگوں کے ساتھ رے کی جانب چلا گیا۔

برکیارق کا بھائی سلطان محمد ہمدان آیا، تخت نشین ہوا اور موید الملک کو اپنا وزیر بنایا۔[۴]

سلطان برکیارق نے کچھ ہی دنوں میں خراسان، گرگان اور رے سے ایک لشکر تیار کیا اور سلطان محمد سے لڑنے نکلا، آخر الذکر کو شکست ہوئی اور موید الملک وزیر گرفتار ہو گیا کچھ دنوں وہ قید میں رہا، آخر اس نے سلطان کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اگر سلطان اس کا جرم معاف کر کے اسے دوبارہ وزارت کے عہدے پر مامور کر دے تو اس کی خدمت میں ایک لاکھ دینار حاضر کر دے گا، ابھی رقم دینے کی بات چیت ناتمام تھی کہ دوسرے روز سلطان اپنے خرگاہ میں محو آسائش تھا، سلطان کا طشت دار اس خیال سے کہ بادشاہ سو گیا ہے، اپنی ایک جماعت سے چپکے چپکے کہہ رہا تھا کہ "یہ سلجوقی کتنے بے حمیت ہیں، کہ اس آدمی (موید الملک) نے سلطان کو کتنی پریشانیوں میں گرفتار کرایا ایک بار ملک شاہ کے غلام اُنُر کو اکسایا، سلطنت

۱: راحۃ ص ۱۴۳ ۲: ایضاً ص ۱۴۵، ۱۴۶

۳: ایضاً ص ۱۴۵ ۴: ایضاً ص ۱۴۷

کی ہوس دلائی، حکومت کا سارا ساز و سامان مہیا کیا، دوبارہ گنجہ گیا، سلطان کے بھائی سلطان محمد کو اکسا کے لایا اور سلطان کو آوارہ پھرایا، اور اب ایسے ہی شخص کو پھر وزارت دی جارہی ہے اور اس پر بھروسہ کیا جارہا ہے، سلطان نے یہ باتیں سن لیں، اس نے مویدالملک کو طلب کیا، اسے کرسی پر بٹھایا، اور تلوار سے اتنی پھرتی سے اس کا سر ایسا قلم کردیا کہ تلوار تو گردن سے پار ہوگئی مگر سر گردن سے جدا نہ ہوا۔ پھر سلطان، طشت دار کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ سلجوقیوں کی حمیت دیکھی، طشت دار بھاگ گیا اور پھر سلطان کے پاس نہ آیا۔

سلطان برکیارق اور سلطان محمد کے درمیان پانچ بار جنگ ہوئی، چار بار برکیارق کو فتح ہوئی اور ایک بار محمد کو۔

سلطان برکیارق نے ۱۲ سال کی حکومت کے بعد عین نوجوانی میں ۲۵ سال کی عمر میں ۴۹۸ھ میں انتقال کیا۔

بقول راوندی مولف راحۃ الصدور سلطان برکیارق اور سلطان محمد کے اختلافات کے نتیجے میں ملاحدہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی، اصفہان میں ایک ادیب تھا، اس کا نام عبدالملک عطاش تھا، پہلے وہ اپنے کو شیعہ کہتا تھا، پھر باطنی ہوا، ائمہ اصفہان اس سے بڑا تعارض کرتے تھے، آخر وہ بھاگ کر رے پہنچا اور حسن صباح سے مل گیا، اس کے بھاگنے کے بعد اس کا ایک خط کسی دوست کے نام ملا جس میں لکھا تھا:

"وَقَعْتُ بِالْبَازِ الْاَشْهَبِ فَكَانَ عِوَضًا لِّي عَمَّا خَلَّفْتُهُ"

(باز اشہب کے پاس پہنچا، سارے جہاں کو چھوڑ کر اسے اختیار کیا، اور جو چیز چھوڑ دی اس سے قطعاً بے تعلق ہوگیا)

ط۱: راحۃ الصدور ص ۱۴۸ ط۲: پہلی بار ۴۹۳ھ میں، دوسری بار ۴۹۳ میں، تیسری اور چوتھی ۴۹۵ میں، پانچویں بار ۴۹۷ میں، رک ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۸، ۲۵۰، بحوالہ راحۃ الصدور ص ۱۴۸ حاشیہ

ط۳: مراد اسماعیلی و باطنی ہے۔ ط۴: راحۃ الصدور ص ۱۵۵ ط۵: حسن کا باپ صباح یمن سے رَی آیا، یہیں حسن کی ولادت ہوئی، باطنیوں کی دعوت پر حسن نے مذہب اسمٰعیلی قبول کرلیا، ۴۶۴ میں عبدالملک عطاش رَے آیا تو حسن نے اس کو نیابت دعوت کا عہدہ دیا۔ ۴۷۱ میں مصر گیا سی میں ایران واپس آیا، اور کچھ دن خوزستان، اصفہان، یزد، کرمان دامغان وغیرہ میں دعوت کے کام میں سرگرم رہا، اور ہزاروں کو اپنے مذہب میں شامل کرلیا، ۴۸۳ میں الموت کے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور دعوت کے کام میں بڑی تیزی پیدا کی، پھر دیلمان اور طبرستان کے علاقے میں قلعے تعمیر کرکے، اس نے اپنے داعی قہستان کے علاقے میں بھیجے اور ان اطراف کے بعض قلعوں پر قبضہ کرلیا، سلجوقیوں نے ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کے روکنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے، ۵۱۸ میں اس کا انتقال ہوا، اس کے بعد لبسر کا انتشم بزرگ امید اس کا جانشین ہوا (فرہنگ معین ۵: ۴۵۹ خلاصہ)

وہ اچھا خطاط تھا، اور اصفہان میں اس کے خط میں بہت سی کتابیں موجود تھیں۔
عبدالملک عطاش کا ایک بیٹا تھا، اس کا نام احمد تھا، باپ کے زمانے میں وہ کپڑا بیچتا تھا، اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ باپ کے مذہب وعقیدے کو چھوڑ چکا ہے، سلطان ملک شاہ کا بنا کردہ ایک قلعہ تھا جو قلعۂ دژکوہ کہلاتا تھا، سلطان ملک شاہ کے زمانے میں شاہ دژ کے نام سے موسوم تھا بادشاہ کی غیر حاضری کے موقع پر خزانہ، سلاح خانہ، نوکر چاکر اور درگاہ کی خواتین وہاں رہا کرتے جماعت دیالمہ اس قلعے کی محافظ تھی، احمد بن عبدالملک نے خادموں کی تدریس کے سلسلے سے وہاں آنا جانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ اہل قلعہ میں سے اس کا رسوخ بہت بڑھ گیا، وہ قلعے کی خواتین کے لیے لباس دوسرے اور سامان لاتا اور محافظان قلعہ کے ذریعہ ان تک پہنچاتا، اور قلعے کے لوگوں میں وہ اپنے عقیدے کی تبلیغ کرتا۔ یہاں تک خاصے لوگوں نے اس کی دعوت قبول کرلی، آخر کار پھر وہ حاکم قلعہ ہو گیا اور اکثر لوگ اس کے پیرو ہو گئے[۱] ——— اس کے بعد دشت گور کے نزدیک شہر کے دروازے پر دعوت خانہ بنایا، وہاں شہر کے لوگ آتے اور احمد عطاش کا مذہب قبول کرتے پھر وہ لوگ اپنے محلوں اور گھروں میں باطنی دعوت پھیلاتے عام مسلمانوں کو پریشان کرتے اور کبھی کبھی ہلاک بھی کر ڈالتے۔

انہیں ایام میں ایک اندھا تھا جو علوی مَدَنی کہلاتا تھا، ہر شام اپنی گلی کے سامنے کھڑا ہوتا، اس کے ہاتھ میں عصا ہوتا اور وہ یہ صدا لگاتا رہتا: کہ خدا اس کو بخشش دے جو اس نابینا کا ہاتھ پکڑ کر اس گلی کے ایک گھر میں پہنچا دے گلی کافی لمبی اور تنگ وتاریک تھی، اور اندھے کا گھر آخر میں تھا، اور اس مکان کی دہلیز پر ایک کنواں تھا، جو شخص اس علوی کی رہنمائی کرتا، تو وہاں کچھ لوگ اس رہنما کو پکڑ کر کنوئیں میں ڈال دیتے، اس کنوئیں کا راستہ سرداب تک تھا، ۴۔ ۵ ماہ کی مدت اس پر گزری، اور شہر کے بہت سے نوجوانوں کے گم ہو جانے کا واقعہ مشہور ہوتا گیا، ایک روز ایک فقیر عورت اس گھر سے کسی چیز کی طلب گار ہوئی، اس نے وہاں شور وغل سنا، اس گھر کے لوگوں نے سمجھا کہ اس عورت پر راز فاش ہو گیا، روٹی دینے کے بہانے سے اس عورت کو مکان کے اندر لے جانا چاہا عورت بھاگی اور گلی کے دروازے پر پہنچ کر

ص[۱]: راحة الصدور ص ۱۵۶   ص[۲]: ایضاً ۱۵۷

شور مچانا شروع کیا کہ فلاں مکان کے اندر سے برابر شور وغل کی آواز آرہی ہے، لوگوں میں نوجوانوں کے گم ہو جانے کا چرچا عام ہو چکا تھا، لوگ دوڑ پڑے، اور اس مخصوص گھر کے نزدیک جمع ہوگئے اور زبردستی اندر داخل ہوگئے، گھر کے کونے کونے میں تلاش شروع ہوئی، اس میں وہ راہ نظر آئی جو سرداب میں نکلتی تھی، چار سو پانچ سو آدمی وہاں دیکھے گئے، اکثر مقتول، کچھ دیوار میں ٹھنکے ہوئے، دو تین ایسے بھی ملے جن میں ذرا سی جان باقی تھی، سارے شہر میں ہنگامہ برپا ہوگیا، ایسا شور و ہنگامہ جیسا اصفہان میں کبھی بپا نہ ہوا تھا، علوی مدنی اور اس کی بیوی کو پکڑا اور دونوں کو بازار لشکر میں جلا دیا۔[1]

سلطان[2] محمد بن ملک شاہ سات سال کی جدوجہد کے بعد اسمٰعیلی[3] قلعہ کو توڑنے میں کامیاب ہوا، سعد الملک[4] آبی سلطان محمد کا وزیر تھا، ایمۂ اصفہان جیسے عبید اللہ خطیبی وصدر الدین خجندی سعد الملک کو باطنی تحریک سے ملوث بتاتے تھے، سلطان نہیں مانتا تھا، بالآخر اس[5] پر اتہام ثابت ہوگیا۔ احمد عطاش نے سعد الملک کو لکھا کہ قلعے سپرد کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، سعد الملک نے کہلوایا کہ ابھی ایک ہفتہ قلعہ سپرد نہ کیا جائے۔ ہم اس کتے کو ختم کرنے کا سامان کر چکے ہیں۔

سلطان کے مزاج پر حرارت غالب تھی، اس لیے وہ ہر ماہ فصد لیا کرتا سعد الملک فصد کھولنے والے سے مل گیا اور اس کا نشتر مسموم کرا دیا، خواجہ سعد الملک کا حاجب باخبر تھا، حاجب نے یہ راز اپنی بیوی سے بتایا، اس کی بیوی نے اپنے ایک دوست سے یہ بات بتا دی، وہ دوست قاضی خجندی کا شناسا تھا، اس نے قاضی کو باخبر کیا، قاضی نے بلا توقف سلطان کو اس سازش سے آگاہ کر دیا، سلطان نے فصد کھولنے والے کو بلایا، اور اس کے زہر آلود نشتر سے خود اس کا کام تمام کر دیا۔

---

[1]: راحۃ الصدور ص ۱۵۹ [2]: یعنی سلطان برکیارق کا بھائی سلطان محمد بن ملک شاہ (جلوس ۴۹۸ھ وفات ۵۱۱ھ)، [3]: ابن الاثیر نے سال ۵۰۰ھ کے ذیل میں یہ واقعہ لکھا ہے (ج ۱۰ ص ۲۹۹ بعد) اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے سلاجقۂ بزرگ ص ۱۵۷ [4]: اس کے حالات کے لیے دیکھیے سلاجقۂ بزرگ ص ۱۵۵ بعد۔

[5]: مگر کتاب سلاجقۂ بزرگ ص ۱۵۷ میں ہے کہ وزیر کو بھی اس فرقے سے بغض شدید تھا۔ دراصل رئیس اصفہان خطیبی جاہل تھا، سعد الملک سے اسے اندیشہ تھا اسی وجہ سے اس نے سعد الملک پر الزام تراشا تھا، سلطان کو بالآخر وزیر کو قید کرنا پڑا، اور پھر ۵۰۰ھ میں وہ قتل کر دیا گیا، سلاجقۂ بزرگ ص ۱۵۹۔

اس واقعے کے دو روز بعد احمد عطاش نے قلعہ حکومت[1] کے سپرد کر دیا۔ احمد عطاش پکڑا گیا، لوگ اونٹ پر سوار کر کے اُسے شہر اصفہان کے اندر لے گئے، لاکھوں آدمیوں نے اس کے سر پر گوبر، لید مٹی، ڈھول، کیچڑ ڈال کر بڑی خاطر تواضع کی اور مخنثوں کا ایک گروہ ڈھول، نقارہ بجاتی اس کے سامنے چل رہی تھی اور یہ ترانہ پڑھ رہی تھی:

عطاش عالی جان من عطاش عالی   میان سربالی ترا بدنہ چکارو

ایک ہفتہ اس کو لٹائے رکھا، آخر اس کو تیر باران کر کے جلا دیا۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا کہ تو علم نجوم سے شناسائی کا دعویٰ کرتا تھا اپنے طالع میں یہ دن تو نہیں دیکھ سکا تھا اس نے جواب دیا کہ اپنے طالع میں دیکھا تھا کہ اتنی شان و شوکت سے اصفہان میں داخل ہو رہا ہوں جو کسی دوسرے بادشاہ کو نصیب نہ ہوا تھا، لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا تھا کہ شان و شوکت کی نوعیت یہ کچھ اور ہی تھی۔ غرض سلطان محمد نے باطنیوں کے قلعے کو توڑ کر ان کی قوت کو بڑا دھکا پہنچایا تھا راحۃ الصدور کا مصنف لکھتا ہے (ص ۱۵۲):

وہر کہ دژکوہ بر در اصفہان دید، داند کہ آن پادشاہ در فتح آن قلعہ و قمع آن طائفہ چہ رنج دیدہ باشد و چہ سختی کشیدہ و بحقیقت اگر آن فتح بدست او بر نیامدی از دین رمقی ماندہ بود واز اسلام شفقی، مدت ہفت سال آن پادشاہ نیکو خصال در آن مجاہدت بود و لمحۂ نیاسود تا آن سدّ منکر از راہ مسلمانی برداشت۔

---

[1]: یہ تفصیلات راحۃ الصدور ص ۱۵۹-۱۶۱ میں ہے، لیکن عباس اقبال اشتیانی نے سلاجقۂ بزرگ کتاب میں جو واقعات زبدۃ التواریخ، جہانگشای جوینی ج ۳ اور ابن الاثیر ج۔ ا ذیل سال ۵۰۰ کے حوالے سے لکھے ہیں وہ خاصے مختلف ہیں اور بطور نتیجہ لکھا ہے کہ احمد بن عطاش نے اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے کہا کہ ہم یہ قلعہ سلطان کے سپرد کرتے ہیں اس شرط پر ہمیں کوئی دوسرا قلعہ دیا جائے سلطان محاصرہ کو طول دینا نہ چاہتے ہوئے راضی ہو گیا کہ قلعہ خان لنجان جو اصفہان سے ۵ فرسخ کے فاصلے پر ہے انہیں دیدیا جائے لیکن وہ وعدے سے مکر گیا، کہ وہ لوگ سیدنا (حسن صباح) کے پاس الموت چلے جائیں پھر سلطان محمد نے قلعہ اجاڑ ڈالا۔ احمد عطاش کو اصفہان لایا گیا اس کی کھال کھینچی گئی اس میں گھاس بھری گئی، کھال کھینچی جا رہی تھی لیکن اس نے آہ تک نہ کی اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی قتل ہوا، دونوں کا سر کاٹ کر بغداد بھیجا گیا اس کی بیوی نے سارا قیمتی زیور و جواہرات توڑ تاڑ کر برباد کر دیا اور قلعے سے کود کر اپنی جان دے دی قلعے میں احمد عطاش کی مدت اقامت ۱۲ سال تھی (گویا ۴۸۸ تا ۵۰۰ھ)

جس شخص نے دژکوہ اصفہان کے دروازے پر دیکھا ہو گا وہ اندازہ لگا سکے گا کہ اس بادشاہ نے اس قلعے کے فتح کرنے اور اس گروہ (باطنیان) کے ختم کرنے میں کتنی زحمتیں اٹھائی ہوں گی اور کتنی سختیاں برداشت کی ہوں گی اور حق یہ ہے کہ اگر اس کو یہ فتح نصیب نہ ہوتی تو دین کی ایک رمق اور اسلام کی ایک شفق باقی رہ جاتی، یہ نیکو سیرت بادشاہ سات سال اس کار میں لگا رہا، اور ایک لمحہ بھی آرام نہ کیا تب کہیں جا کر وہ منحوس رکاوٹ اسلام کی راہ سے دور ہو سکی۔

اوپر جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں وہ تاریخ سلاجقہ کے اہم اجزا ہیں، اور چونکہ یہ تفصیلات غالب کے جدِ اعلیٰ سلطان برکیارق سلجوقی اور کچھ اس کے بھائی سلطان محمد سے متعلق ہیں، اس لیے غالب کے مطالعے میں ان کی خصوصی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔

کسی شخصیت کی حیات کے سلسلے میں اس کے اجداد اور خاندان کا تعین جتنی اہمیت کا حامل ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اور غالب کے اجداد کے سلسلے کا کوئی اہم مطالعہ سوائے مالک رام مرحوم کے "ذکر غالب"[1] کے میرے علم میں نہیں اور یہ لمحۂ فکریہ ان حضرات کے لیے جن کا خیال ہے کہ غالب پر اب کچھ لکھنے کی گنجائش نہیں، یہاں ایک اور اہم نکتے کی طرف اہل علم حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا کہ غالب کے سلسلے میں فارسی کی جتنی اہمیت ہے وہ ہر شخص پر بخوبی ظاہر ہے، خود ان کے کلام کا بڑا حصہ فارسی میں ہے، اردو کے کلام پر فارسی کا بے پناہ اثر ہے اور میرے اس مقالے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ غالب کی زندگی کے بعض پہلو فارسی زبان و ادب اور ایرانی تاریخ کے گہرے شعور کے بغیر روشن ہی نہیں ہو سکتے، اس بنا پر اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کرنا ہے کہ فارسی اور غالب شناسی لازم ملزوم ہیں۔

---

[1] : مالک رام صاحب نے ذکر غالب میں غالب کے اجداد کے سلسلے میں سلاجقہ پر ایک مختصر سی سرسری یادداشت (طبع پنجم ص ۲۰-۲۱) درج کی ہے، جس میں بعض سہو بھی ملتے ہیں، مثلاً برکیارق کے بھائی سلطان محمود کو بڑا بھائی لکھا حالانکہ وہ برکیارق سے چھوٹا تھا۔

غالب کے ایک قریبی معاصر:

وارستۂ سیالکوٹی اور اس کی کتاب "مصطلحات الشعرا"

(وارستہ جس کا نام سیالکوٹی مل تھا، فارسی زبان کا عظیم محقق گذرا ہے، اس کی تاریخ وفات ۱۱۸۱ھ بتائی جاتی ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ اس کی مشہور تصنیف مصطلحات الشعرا ہے جو ۱۱۸۰ھ میں لکھی جانی شروع ہوئی، اور چند سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچی ہوگی، اس کتاب کے مواد کی جمع آوری میں ۱۵ سال صرف ہوئے تھے، تو اس کی ترتیب میں دو تین سال تو لگے ہوں گے۔ غالب کی پیدائش ۱۲۱۲ھ میں ہوئی تھی، اس سے ظاہر ہے کہ وارستہ غالب کی پیدائش سے چند سال پہلے فوت ہوا ہوگا اور ایک امر جس کی وجہ سے وارستہ اور غالب ایک دوسرے سے قریب آجاتے ہیں وہ ہے فارسی زبان کے مستند یا غیر مستند ہونے کے سلسلے میں دونوں کے نقطۂ نظر میں اتحاد)

ہندوستانی دانشوروں اور محققوں نے فارسی زبان و ادب کی بعض شاخوں میں جیسی نمایاں خدمات انجام دی ہیں خود ایرانی دانشوروں کی کوشش ان کے مقابلے میں اتنی وقیع نہیں، اور یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ شاید ہی ایسا کوئی ملک ہو جہاں کے لوگوں نے غیر ملکی زبان میں ایسی دسترس حاصل کر لی ہو کہ خود اہل زبان ششدر

رہ گئے ہوں، یوں تو زبان و ادب کے بعض شعبے جیسے تذکرہ نویسی، دستور زبان، فرہنگ نویسی وغیرہ شعبوں میں اہل ہند کے کارنامے ایرانیوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور فرہنگ نویسی میں ہندوستانیوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا عشر عشیر بھی اہل ایران کا حصہ نہیں، ہندوستان میں فارسی کے مروج ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد فرہنگیں لکھی جانے لگی تھیں، لیکن کسی بہت قدیم فرہنگ کا سراغ نہیں ملتا، سب سے قدیم فرہنگ جو مکشوف ہوئی ہے وہ فرہنگ قواس ہے جو علاءالدین خلجی[1] کے زمانے (۶۹۵ - ۷۱۵ھ) میں مرتب ہوئی، اس کے بعد تو فرہنگوں کا ایک سلسلہ ملتا ہے جو ساری کی ساری اس سرزمین میں معرض وجود میں آئیں، ان میں بیشتر ایسی فرہنگیں ہیں جو مصطلحات سے خالی ہیں، البتہ بعض فرہنگوں میں اس طرف بھی توجہ ملتی ہے، لیکن ایسی فرہنگیں شاذ ہیں، بارہویں صدی ہجری میں مصطلحات کی طرف خصوصی توجہ ہوئی، چنانچہ اس دور میں چار نہایت نفیس فرہنگیں معرض وجود میں آئیں جن میں اصطلاحات و محاورات اور تلمیحات کا عنصر غالب ہے، اور چار فرہنگ نویس ایسے ہیں جن کا فارسی میں کوئی بدل نہیں، اور وہ ہیں آنند رام مخلص (وفات ۱۱۶۴ھ) صاحب مراۃ الاصطلاح، سراج الدین علی خان آرزو (وفات ۱۱۶۹ھ) صاحب سراج اللغہ، و چراغ ہدایت و مثمر، لالہ ٹیک چند بہار (وفات ۱۱۸۰ھ) صاحب بہار عجم، اور وارستہ سیالکوٹی (وفات بعد ۱۱۸۱) صاحب مصطلحات الشعرا، ان کتابوں کا کوئی جواب فارسی میں نہیں ملتا، ان محققین نے سارا فارسی ادب کھنگال ڈالا، مشکل ہی سے نظم و نثر کی کوئی ایسی کتاب ملے گی جن سے ان مصنفین نے استفادہ نہ کیا ہو، یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ بارہویں صدی کے ان شہرۂ آفاق محققین ہیں سب اصلاً و نسلاً ہندوستانی تھے، اور ایک کے علاوہ تین ہندو تھے، گویا تحقیق

---

[1] راقم کی تصحیح سے یہ کتاب تہران سے شائع ہو گئی ہے۔ دوسری قدیم فرہنگ، لسان الشعرا ہے وہ بھی راقم کی تصحیح کے بعد ایران ہاؤس نئی دلی سے اسی سال طبع ہوئی ہے۔

زبان کا سہرا ہندوؤں کے سر ہے۔

بارہویں صدی میں جس موضوع کے بارے میں زبان کے محققین دو گروہ میں بٹ گئے وہ ہے زبان کے بارے میں ہندوستانی شعراو مصنفین کے کلام کا معیاری ہونا، علی حزیں (وفات ۱۱۸۱) کے ہندوستان میں آتے ہی یہ معاملہ کافی زور پکڑ گیا، وہ ہندوستانی محققین و شعرا کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، ایرانیوں کے علاوہ بعض اہل ہند بھی علی حزین کے موید ہوئے، انھیں میں وارستہ بھی تھے، اور ہمارے محبوب شاعر غالب دہلوی نہ صرف علی حزیں کے موید تھے بلکہ اس سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر جارحانہ تھا، وارستہ باوجود اس کے کہ اہل ہند کی زبان کو استناد کا درجہ نہیں دیتے تھے، ان کی کتاب مصطلحات الشعرا میں پچاسوں ہندوستانی شاعروں کے کلام سے استناد ہوا ہے۔ سراج الدین علی خان آرزو اس نقطۂ نظر کے سخت مخالف تھے، انھوں نے حزین کی غلطیوں پر ایک رسالہ تنبیہ الغافلین کے نام سے لکھا، وارستہ نے اس کے جواب میں ایک کتابچہ مرتب کیا جس کا نام رجم الشیاطین ہے، عنوان ہی ظاہر ہے کہ وہ خان آرزو کے کتنے مخالف ہوں گے لیکن نکتے کی بات یہ ہے کہ مصطلحات الشعرا میں خان آرزو کے اشعار اور اقوال سند میں پیش کیے ہیں۔

وارستہ کا نام سیالکوٹی مل تھا، سیالکوٹ سے جو پنجاب کا ایک مردم خیز شہر ہے ان کا تعلق تھا، ان کے استاد میر محمد علی رائج تھے، جن کا ذکر[1] ان کی کتابوں میں ہوا ہے وارستہ کی حسب ذیل کتابوں کا نام ملتا ہے۔

۱۔ مطلع السعدین فن انشا و شعریات پر ہے، رشید وطواط کی حدایق السحر سے کافی استفادہ ہوا ہے، لیکن شعرائے متقدمین کے بجائے شعرائے متاخرین کے کلام سے استناد ہوا ہے، یہ کتاب وارستہ کی تحقیقی و انتقادی صلاحیت کا اعلیٰ نمونہ ہے، ۱۱۶۸ میں یہ کتاب مرتب ہوئی اور ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی۔

---

[1] دیکھیے مصطلحات الشعرا ص ۱۵، ۲۰، ۲۷، مصطلحات کی تالیف کے وقت وہ فوت ہو چکے تھے۔

۲۔ صفات کائنات یا عجائب و غرائب، فارسی انشا پردازوں کے کلام کا انتخاب ہے، اس میں خود ان کے اور آنند رائن مخلص کے نثر کے نمونے نقل ہوئے ہیں کتاب طبع ہو چکی ہے۔

۳۔ جُنگ رنگا رنگ، یہ شعرا کی بیاض تھی، اسپرنگر نے اس کا نسخہ دیکھا تھا، فی الحال اس کا نسخہ نہیں ملتا۔

۴۔ رجم الشیاطین، تنبیہ الغافلین کی رد میں لکھی گئی، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے آرزو نے تنبیہ الغافلین میں علی حزین کے کلام پر اعتراض کیا تھا، وارستہ نے اس کتاب کے جواب میں یہ کتاب لکھی۔

۵۔ مصطلحات الشعرا، وارستہ کی سب سے مشہور و مقبول کتاب ہے، یہ ان کی اعلیٰ انتقادی صلاحیت کی آئینہ دار ہے، مصطلحات الشعرا سے کتاب کے شروع کیے جانے کی تاریخ نکلتی ہے یعنی ۱۱۸۰ھ، [1] مقدمے میں ہے:

"داین نادرہ را بمصطلحات الشعرا کہ مشعر تاریخ شروع تالیف است، موسوم گردانیدم"

مقدمے کا خلاصہ یہ ہے:

"سرنوشت ازلی کے تقاضے کی وجہ سے شب و روز شعرا کے دواوین [2] کا مطالعہ کرتا رہا اور الفاظ و معانی کی تحقیق سے ایک گونہ عشق سا ہو گیا، مطالعے کے دوران فارسی کے نادر اور غریب الاستعمال الفاظ سے دوچار ہونا پڑا، ان کے حل کرنے کا خیال ہوا، ہر چند لغات کی کتابیں دیکھیں، ان سے بھی مقصد حاصل نہ ہوا (مجبوراً) ایرانی زبان دانوں کی طرف رجوع کرنا پڑا، اس تگ و دو میں ۱۵ سال صرف ہوے، ایرانی زبان دانوں سے بہت کچھ معلومات حاصل ہوئیں جنھیں شاعروں اور سخن پردازوں کے فائدے کے لیے ضبط تحریر میں لے آنے کا خیال مستحکم ہوا، اور باوجود اس کے کہ ان کی تشریح بعض کتابوں

---

[1] ڈاکٹر سید عبداللہ نے یہ خاتمے کی تاریخ بتائی ہے (ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ) طبع لاہور، ص ۱۴۶۔

[2] ڈاکٹر صاحب نے عہد طفلی لکھا ہے (طبع لاہور، ص ۱۴۶)

میں موجود ہے، طلبہ کی سہولت کے لیے انھیں یہاں جمع کر لیا، لیکن ایسے الفاظ و محاورات جو تازہ گویوں کے کلام میں نظر نہیں آئے، انھیں ترک کر دینا ضروری سمجھا۔"

بعض لوگوں نے مقدمے کی عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وارستہ ایران گئے اور ۱۵ سال تک وہاں کے دانشوروں سے لغات و محاورات فارسی کی تحقیق و تفتیش کرتے رہے، لیکن کچھ ایسا لگتا ہے کہ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایرانی دانشور جو ہندوستان میں مقیم تھے، ان سے لغات کی تحقیق کرتے رہے اور اس کام میں ۱۵ سال کی طویل مدت صرف ہو گئی[1]

ماخذ: مصنف کے اپنے ماخذ کی حسب ذیل کتابوں کے مخففات درج کیے ہیں۔

ج: جہانگیری
ک: کشف اللغات
م: موید الفضلا
ل: مدار الافاضل
ق قاموس
ر رشیدی
ت تاج المصادر
خ شرح دیوان خاقانی
خ شرح قصاید انوری
ط لطایف مثنوی معنوی
ص صراح
ا ابراہیم شاہی
ن منتخب اللغات

---

[1] اگر ایران گئے ہوتے تو صاف صاف لکھنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ بظاہر وہاں نہیں جا سکے ہیں، اس لیے گھما پھرا کر مبہم انداز میں ایرانیوں سے استفادہ کا ذکر کرتے ہیں، اقرار بھی نہیں، انکار بھی نہیں۔

"محاورہ دانان ایران" کا مخفف 'م ع' درج کیا ہے، بظاہر اس سے مراد کوئی کتاب نہیں بلکہ وہ شفاہی بیانات ہیں جو ایرانی زباندانوں سے سنا لیکن وارستہ کے صرف یہی ماخذ نہ تھے، اس نے شعرا کے سیکڑوں دواوین کے علاوہ، تاریخ و ادب کی متعدد کتابوں سے استفادہ کیا ہے، لغت کی اور بھی کتابیں وارستہ کے پیش نظر رہی ہوں گی، ان میں سے کم از کم لغت مجدالدین قوسی کا بار بار ذکر ملتا ہے۔ چند نثری تصانیف جن سے مولف نے استفادہ کیا ہے یہ ہیں:

رسائل طغرا ص ۱۱، مکتوبات جلال طباطبا ۴۸
رسالہ ساطع کشمیری ص ۷۰،
تفسیر حسینی ۲۸ عالم آرای عباسی ۲۴۲
رسالہ مقیمای حسینی ۲۸، مقیمائے قمی در تعریف کشمیر ۲۴۱
کارستان منیر لاہوری ۲۰
رزمیہ منیر لاہوری ۲۴
اکبر نامہ ابوالفضل ۲۴، ۱۶۵، آئین اکبری ۱۵۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۷۷، ۲۷۰
سہ نثر ظہوری دیباچۂ خوان خلیل
ظفر نامہ شرف الدین علی یزدی ۳۰، ۲۱۶
نفحات الانس جامی ۴۹
دستور العمل سیر اصفہان صادق دست غیب ۶۵، ۸۴، ۲۴۲
رسالۂ عبداللطیف خان تنہا ۲۳۵
وقایع محاصرہ حیدرآباد نعمت خان عالی ۸۷، ۱۸۱، عالی مفرح القلوب ۲۷۲
ترجمہ مہابھارت ۱۳۰ تیمور نامۂ ہاتفی ۲۳۱
شرح قصاید عرفی ۱۵۱ رسالۂ ظہیرای تفرشی ۲۱۷ اعجاز خسروی ۲۴۱
رسالۂ محسن فانی ۸۰ تذکرۂ دولت شاہی ۲۱۶

شعرا کے کثرت سے حوالے ہیں، بعضوں کے نام یہ ہیں:

حرف ا

اشرف مازندرانی، الہی ہمدانی، آہی، آصفی، اسماعیل ایما، ابن یمین امیری خراسانی میرافسر، میر سنجر (خانزماں) امانی، افضل کاشی، افضل ثابت، اہلی شیرازی، ابراہیم ادہم، اختر یزدی، امیر شاہی، بسحاق اطعمہ، اعجاز اصفہانی، اثیر اخسیکتی، میر مومن ادائی،

حرف ب

شرف الدین پیام

حرف ت

تاثیر (محسن)، تقی اوحدی، تجلی (علی رضا)، عبداللطیف خان تنہا

حرف ج

جلال اثیر، جلال سیادت، جامی، جلال آذری، جعفر تبریزی، سید محمد جامہ باف، داراب جویا، سید حسین جرأت خلف سید علی سبزواری

حرف ح

حافظ، حیاتی گیلانی، حسین ثنائی، حاذق گیلانی، حسن رفیع، حسن دہلوی

حرف خ

خاقانی، خاشع صفاہانی، امیر خسرو، خان خالص، خان آرزو، خواجوی کرمانی، خالص (امتیاز علی خاں)

حرف د

درکی قمی، درویش والہ، رضی دانش

حرف ذ

ذوقی اردستانی، ذہنی تبریزی

حرف ر

حکیم رکنا، رہی شاپور، رفیع واعظ، فصاحت خان راضی، (میر محمد علی) رائج، رضای کاشی، ریاضی، اسعد اللہ راقم

حرف ز

زلالی، زکی ندیم، زکی ہمدانی

حرف س

میر سنجر، سالک، سلیم، ساطع، سلمان ساوجی، حکیم سنائی، سعید عطا حکیم، سیرفی، سوزنی
سحابی لاری، سعدی

حرف شین

شوکت، شانی تکلو، حکیم شفائی، شاپور، شکوہی جربادقانی، شہیدی قمی، شرف شفرہ
شہرت، محمد حسین، شریف تبریزی

حرف ص

صائب، صادق دست غیب، صیدی تہرانی، میر صیدی، میرزا صادق، صالح ہروی

حرف ط

ملا طغرا، طالب آملی، طاہر وحید

حرف ظ

ظہوری

حرف ع

عرفی شیرازی، علی نقی کرہ، حسن بیگ عجزی، عزت فیروزآبادی، علی قلی خان اعظم
بن حسین خان شاملو، سلطان عبداللہ، عظیم نیشاپوری

حرف غ

غنی کشمیری، عبدالغفور بروجردی، غزالی مشہدی، غیاث نقش بند

حرف ف

فغانی، فیضی فیاضی، فیاض لاہجی، فرج اللہ شوشتری، فوقی یزدی، فانی ہروی،
فردوسی، فصیحی، فہمی، فکرت (غیاث منصور) فوجی نیشاپوری

حرف ق

قدسی، عبدالغنی بیگ قبول، قاسم گنابادی، قاسم مشہدی، قاسم ارسلان
حرف ک: کمال اسماعیل، کمال خجندی، کاتبی، کلیم کاشانی

حرف گ

گرامی ولد قبول

حرف ل

لسانی، لطفی نیشاپوری

حرف م

میر معصوم کاشی، مسیح کاشی، مومن، مفید بلخی، مخلص، محتشم، معز فطرت، منیر لاہوری، مغانی بلخی، میر معزی، میلی ہروی، میر نجات، موجی، مولوی رومی، مظہر کاشی، میرم سیاہ، میرزا محمد سعید، مومن بیگ ترکمان، محمد امین سبزواری، میر عبدالہادی، مومن استرآبادی، ملک قمی، میر محمد رضا، منصف تہرانی، محمد علی ماہر، محمد زبان لاہجی

حرف ن

نظام دست غیب، نظیری نیشاپوری، ناظم تبریزی، نصرای ہمدانی، نصیرای بدخشی، نسبتی کاشی، نظامی گنجوی، نزاری قہستانی، نصیبی گیلانی، نادم گیلانی، نجیب خالص استرآبادی، نشاطی سمرقندی۔

حرف و

وحشی، والہ ہروی، وجیہی سیستانی، وحید (شاید طاہر وحید)، والا (اسلام خاں) واعظ قزوینی، وارستہ، وحدت قمی

حرف ہ

ہاتفی، ہجری شمشیر گر قمی

حرف ی

یحیی کاشی

شاعروں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متقدمین شعرا بہت ہی کم ہیں، اکثر متاخرین ہیں، ان میں بعض ایسے ہیں جن کا ذکر صرف تذکروں تک محدود ہے، قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ مشکل سے ایسے مندرجات ہوں گے جن کی مثالیں کتاب میں دی ہوں،

ان امثلہ کی تلاش میں ۱۰ سال کی مدت زیادہ نہیں ہے۔

ترتیب کتاب: کتاب کی ترتیب حروف تہجی سے ہے، لیکن عنوانات کے ساتھ، حرف اول، تناظر اور حرف دوم منظر کے عنوان سے ذکر ہوئے ہیں، مثلاً تناظر الف از منظر الف: آب و گل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آیۂ حجاب ۳-۲۶

تناظر الف از منظر بای موحدہ: ابا ۔ ۔ ۔ ۔ ابو المطراق ۲۶-۲۹

تناظر الف از منظر حای مہملہ: احرامی و احرام ۔ ۔ ۔ ۲۹

تناظر الف از منظر رای مہملہ: اردہ ۔ ۔ ارتنگ ۳۰-۳۱

تناظر الف از منظر زای معجمہ: از آسمان ۔ ۔ ۔ ۳۲-۳۹ وغیرہ وغیرہ

مصطلحات الشعرا کے خصائص

۱۔ اس کتاب میں ایسے مفرد و مرکب الفاظ ہیں جو فنی تخصیص سے عاری ہیں مثلاً

اُبجانہ، آبدانی، آتش کش، آتش گیر، آسن، الفتہ، آماج، آماجگاہ، ابداری، ابریشم، امروز، ام الصبیان، ابلق، آفتابی، ارجاف و اراجیف، ارسال، ارغنون، استان، اصول، الماس، النک، انگورک، بیوگ، بیوگانی، بے روزگاری، بے حضوری، باد فروش، بارانداز، بازفگن، بارگیر، بارخانہ، بارہ گر، بارانی، بازگوئی، بازندگی، بالاخوانی، پاپیچ، پادگانی، پای دکان، پاروب، پای کلاغ، پیشوا، پیش نماز، پیشانی، پیش دامن، پیشکش، پیلور، تابدار، تالار، تاہو، ترند، توز، توشش، تدارک، تلخ، تماشا، تمکین، تن آسانی، تیرداں، دستکار، دستکاری، دست افزار، درنگ، دخل، داہول، زنگ، زنگولہ، صحن، صورت، صبوحی، صاحبی، صاحبقران وغیرہ وغیرہ

۲۔ ترکی زبان کے عام الفاظ، مثلاً

اتاق، اختہ بیگی، اختہ چی، اغزی، اقچہ، اوجدی، آل، آل تمغا، ایچ، باشی، پسراک، پچاق، ترک، تشتاقہ، تزک، تقماق، جوق، جارچی، چپر، چہرہ (غلام ص ۱۶۵) چوب یساق، چماق، چیلان، چوری، درناق، ساقری، ساقدوش، ساوری، سدق، سورن،

سو، سوچی، اشلاق، شلتاق، شرباشرن، قاب، قراب، قراسورن، قراقہ، قلپاق، قراول، قبچاق، قرچی، قتو، قپان، قلزاتاسی، قوچی، قیلغہ، قیقاج، قمرغہ، قشلاق، قاپی (علیقاپی)، کودہ، کسکن، مشتلق، ییلاق۔ وغیرہ۔

۳۔ مصطلحات الشعراکتاب کا نام ہے، عنوان کا تقاضا ہے کہ یہ رسالہ شاعری کی اصطلاحات کا حامل ہوگا، مگر ایسا نہیں، اس میں مختلف فنون کی اصلاحات شامل ہیں، شاعری کی اصطلاحات کے مقابلے میں اور دوسری اصطلاحات زیادہ ہیں، دراصل مولف کے مخاطب خواص و عوام دونوں ہیں، اسی وجہ سے علمی و ادبی اصطلاحات کے ساتھ ساتھ کشتی گیری کی بھی اصطلاحات اس کتاب میں زیادہ ملتی ہیں، بلکہ آخرالذکر اصطلاحات خاصی تعداد میں ہیں، اس لیے اسی اصلاح سے ہم شروع کرتے ہیں:

—— نخاک کردن،

باصطلاح کشتی گیران حریف را برزمین انداختن[1] و از جا برداشتہ بہر دو پا و بہر دو دست مثل چار وا استادن[2]

میر نجات: گر برزمین آری و درخاک کنی

بافلک کشتی خصمانۂ خود پاک کنی (ص ۷۲-۷۳)

—— بَدَل بفتحتین باصطلاح کشتی گیران فنی کہ دفع فن حریف بدان کنند چہ ہر فنی کشتی بدل دارد، میر نجات:

دارد آن تیرجہان دیدۂ ہر فن ماہر ہر فنی را بدلی ہمچو فلک در خاطر (ص ۷۰)

—— بپروانی نام فنی است از کشتی و آن گرد حریف گشتہ پایش برداشتن و از جا بودن است، میر نجات:

چہ شود گر بمخالف رسی از پروانی پای او گیری و بر دور سرش گردانی (ص ۹۱)

—— پس خیز شاگرد کشتی گیر کہ بعد از پاک شدن کشتی حریف کہنہ سوار از

---

[1] نسخہ اصل: نواختن

[2] کذا فی الاصل، اس اعتبار سے اصطلاح میں "بخاک" کے بجائے "درخاک" ہونا چاہیے

جہت تعلیم با او کشتی گیرد، میر نجات ؛

بر تر از سرو گل و لعل بغل وسمن پایہ تست

نیست پس خیز تو جز سایہ کہ ہمسایہ تست (۹۴-۹۵)

بوسۂ لب خویش زدن، حالتی است کہ کشتی گیر در اول کشتی گرفتن

دستی ببازوی خود می زند و آوازی کہ آنرا مچہ گویند

برکشد و بعد ازان دست حریف گرفتہ زور زند

میر نجات ؛

بوسۂ زد بلب خویش دگر مستانہ رفتم از کار ازین کش زدن مردانہ (۱۰۴-۱۰۵)

پیش خیز باصطلاح کشتی گیران شاگرد دست کہ مقابل پس خیز است،

—— طاہر وحید در صفت معشوق کشتی گیر گوید ؛

چہ می پرسی از فتنۂ آن عزیز کہ او را قیامت بود پیش خیز (ص ۱۱۴)

تختہ شلنگ زدن، مقرر کشتی گیر انست کہ ہفت ہشت تختہ بدیوار قایم کردہ وزنگہا

بدان بستہ بوضع معہود بران شلنگ زنند، و شلنگ جستن و پا افشاندن شاطران و کشتی

گیرانست، میر نجات ؛

دل دگر گرم طپیدن شدہ در سینۂ تنگ

می زند آن بت طناز مگر تختہ شلنگ

خان خالص؛ چنین گر بر در مردم شلنگِ تختہ خواہی زد

ترقی گر کنی آخر تو کشتی گیر خواہی شد (ص ۱۲۰)

تنکۂ مجمتین، تنبان چرمی کہ تا سر زانو باشد و وقت کشتی گرفتن پوشند و بسیار تنگ

باشد، ازین رو بدین نام خوانند، میر نجات ؛

—— تنکہ در قدمش زود بہم می باشد ہر کہ در ویش تنگ افتاد چنین می باشد (ص ۱۱۴)

توی شاخ، فنی است از کشتی کہ دست درون ہر دو شاخ حریف انداختہ

یعنی در میان ہر دو ران، زور کنند، شاخ دست و پای آدمی است از کشف

تا سرانگشتان و از ران تا انگشتان، در کشتی گیران گویند دست تو ی دو شاخ حریف کرد یعنی در میان هر دو ران یا هر دو دستش دست خود قایم کرد و توی بمعنی درونست. (ص ۱۲۲)

____ چوب تعلیم، چوبی که معلم اطفال و کشتی گیر شاگردان را بدان ادب کنند (ص ۱۹۴)

____ دست برداشتن، باصطلاح کشتی گیران دست خود بر زمین بند کردن و حریف بدعوی گفتن که بردارد، میر نجات:

دست برداشتنت را چو فلک تاب نداشت

پشت دستی زمه و مهر به پیش تو گذاشت (ص ۲۰۶)

____ در کشتی بست، یعنی کشتی را تمام کرد، میر نجات:

دادا در کشتی خصما نه دگر دست بدست

بنگاهی همه را کشت و در کشتی بست (ص ۲۰۳)

____ دست دادن، باصطلاح کشتی گیران در شروع کشتی دست یکدگر گرفتن که که آن مرسوم آنهاست (ص ۲۰۷)

____ روی دست، نام فنی است از فنون کشتی و آن پای در پای حریف بند کرده روی دستی به سینه اش بزور زدن است که از جا در آید. (ص ۲۳۴)

____ سجود صمدی، باصطلاح کشتی گیران سجدهٔ است که در وقت کشتی گرفتن کنند، میر نجات، شاید از فخر اگر پای بر افلاک نهی

بسجود صمدی جبهه چو بر خاک نهی (ص ۲۴۹)

____ سگکی کاف دوم تازی و یای حطی معروف، فنی است از فنون کشتی و آن دو قسم است، یکی سگکی واژونه که دستهای هر دو حریف در کار نباشد و پا باهم بند کرده یکدیگر را بکشند و زور کنند، دوم سگکی روبرو که دستها و پاها باهم بند کنند مثل بند شدن دو سگ، درویش واله هروی،

قرب تو بچهرهٔ عزازیل بنهاد بترک سجدهٔ نیل

پادرسنگیش لعل بنهاد   بر خاستنش زپا درافتاد

میرنجات، عزیز گشت فغان زین سنگی واژونه
فیل زوراست مبارک بود این میمونه (ص ۲۶۵)

—— شدّ پہلوان، آواز بلند بیست که کشتی گیر دراول کشتی گرفتن بر کشد،

ملا طغرا؛ شدّ پہلوان را از زبر دستی شدِ روح می خوانم (ص ۲۸۰)

—— شناوشنو، ورزش پہلوانان، میرنجات؛ نیست زور تو خصمانه ات از من بشنو
می رود بیهده در معرکه خاک شنو

اشرف؛ بیم طوفان بلا در خشکیم بیش از تری است
همچو کشتی گیر از مشق شنا دارم بخاک (ص ۲۸۵)

—— شیرغلط، فنی است از کشتی که چون حریف را ببند از ند و خواهند پستش بر زمین رسانند حریف مغلوب نگذارد که پستش بر زمین رسد، وجه تسمیه آنکه شیر بر پشت اسلامی خوابد. میرنجات؛ شیر غلطید ز زور بت شیرین فن ما
شیر غلط است فن دلبر شیر افگن ما (ص ۲۸۷)

—— فیل میمونه، فیلی بود که لندهور بن سعدان بر آن سواری شد و او یکی از پہلوانان دست راست حضرت امیر حمزه بود و میمونه نام فنی است از کشتی، سند در سنگی واژونه گذشت. (ص ۳۰۹)

—— چترزون، ورزشی است کشتی گیران را و آن چنانست که بر روی دو دست ایستاده پارا بهوا جفت کنند، میرنجات؛ دل بسیر فلک از رشک کنی دیوانه
همچو طاؤس زنی چتر بورزش خانه (ص ۱۴۴)

—— فتح، نام فنی است از فنون کشتی، و آن حریف را از پس درمیان کمر دست انداخته بالا کشیدن است (ص ۳۰۶)

اصطلاحات مصوری

—— پرتازه، باصطلاح مصوّران خامهٔ موجه دولایت. از پر باریک تازه خامه می بندند

از مصوری ؟ طغرا:

تا دست تصویر رخت برده مصور　　موی قلمش باسر په تازه درآبست (ص ۹۱)

اصطلاحات موسیقی

زیر افگن، نام پرده سرود که آنرا در ہندی بہیرویں گویند، بقول صاحب برہان قاطع کوچک نیز ہمان است، امیر در رزمیہ کہ مناسبات موسیقی سر کردہ گوید، فقرہ ۱

نسبت بمخالفان زیر افگن و زیر کش گر دیدند (ص ۲۴۵)

عمل گیسو، نوائی است از موسیقی کہ در ہند دھناسری گویند (ص ۳۰۲)

سنبلی، نوائی است از موسیقی، رباعی:

سید پسری کہ رفت دلہا سویش　　از خوبی آواز و رخ نیکویش

ترسم کہ بعشوہ سنبلی خوان سازد　　مرغان چمن را عمل گیسویش

سرخانہ، باصطلاح موسیقی آواز بلند است و میانخانہ آواز متوسط، مومن استرآبادی.

ای کار دلم از تو ز قانون شدہ بیرون　　سرخانہ ازچنگ و رباب گہ بشنو (۲۵۶)

مصطلحات رنگرزی

تہ بندی، باصطلاح صباغان رنگی کہ برای تقویت پیش از رنگ مقصود کنند،

باقر کاشی، مصراع: لالہ تہ بندی داغ از شب ہجر انم کرد

تاثیر: خون در دل می کند تہ بندی صہبای تو

گلشن بغارت می دہد رنگ حنای پای تو (ص ۱۳۲)

رنگ بریدن معمول رنگ رزان است کہ چون رنگ زیادہ برآنچہ مقصود است گردد، حامضہ آن را بشویند تا نیم رنگ گردد، گویند رنگش را بریدم

اشرف: نی ہمیں از تیغ رگہای شہیدان می برد

رنگ خون را ہم ترشرو ئی جانان می برد

خان خالص: تا تیغ بدست یار دیدہ است

رنگ از رخ خون من بریدہ است (ص ۲۲۲)

اصطلاحات نجوم

کفِ خضیب، شفیع اثر: سپاه معلی زکف الخضیب
بفرمان او دست بر سر نهاد (ص ۲۰۶)

—— سہم السعادہ و سہم الغیب، بقاعدۂ علم نجوم سہام بسیار است و آن دلایل چیزہای مخصوص باشد کہ مواضع کواکب و خانہ ہا گیرند، از سی فصل معلوم شد؛

کواکب قوی حال وانظار نیک سہام دلایل بیکبار نیک

قوی تر از جمیع سہام سہم السعادہ و سہم الغیب است، سہم السعادہ حالی است

از فلک البروج کہ بعد سہام او از درجہ طالع بر توالی بروج مثل قمر باشد از شمس علی التوالی، مثلاً ہر گاہ آفتاب در اول حمل و قمر در اول ثور باشد و اول جوزا طالع سہم السعادہ اول سرطان است و ہر گاہ شمس در اول حمل و قمر در بیست و پنج درجہ و بیست و چہار دقیقہ حمل باشد بیست و پنج درجہ و سی و ہشت دقیقہ از میزان سہم الغیب است، سہم السعادہ دلیل مال و جاہ و سہم الغیب دلیل فرح و خرمی است، طالع جزویست از فلک البروج بر افق مشرق، قاسم گونابادی در معراج گوید۔

ازان تیر سہم سعادت شدہ چو برجیس فرخندہ عادت شدہ

حکیم حاذق گیلانی، بہ برج طالع او رخ نماست سہم الغیب

بحوت در شدہ سہم الشرف بہ نہانی

طغرا: چو اہل دل بودش صد ہزار سہم الغیب

بچلہ خانہ اگر پا نہد کمان تنہا۔ (ص ۲۶۹-۲۷۰)

چاہ زیج و ستارہ جوئی بکسر زای معجمہ و جیم عجمی، زمین ہمواری کہ در نشیب و فراز نباشد بعمق شصت گز جای فراخ کاوند و از چوبہا بامی بر آرند، شصت گز باشد و آنرا شبک سازند و دران نشینند تا کیفیت افلاک و نجوم دریابند، استاد

از شرم ارتفاع فرو رو بچاہ زیج

اختر شناس طالع وارون خویش باد

ملاطغرا؛ فقره۔ جدولش رصد بندان را ازچاه مناره جوئی بی نیاز ساخته (ص ۱۴۲)

اصطلاح طبی؛

پردۂ عنبی نام طبقۂ از طبقات ہفتگانۂ چشم است کہ آن شبکیہ، عنکبوتیہ، مشیمہ، عنبیہ، صلبیہ، قرنیہ و ملتحمہ است، عالی؛

مرا کہ جام چو نرگس شدہ است چشم و چراغ

چو نور دیدہ شرابم بر پردۂ عنبی است (ص ۹۱)

کھنکو نام رگی است کہ آنرا در تازی عرق النسا گویند، باد کھنکو بادی است کہ دراں رگ انصباب یابد و موجب مرض گردد، اشرف؛

کرا خیر است، ہمچو درد زانو

زمین گیر است چون باد کھنکو۔ (۳۵۵)

اصطلاح فقہی؛

سر جدا کردن، معنی ترکیبی ظاہر است، چون زکوۃ عید الفطر کہ پیش از چاشت یک من و نیم سیر تبریزی کہ شش سیر ہند باشد ہر فرد از مال خود جدا کند ہنگام قسمت گوید این سر فلان مستحق، این سر بہمان مستحق، مخلص کاشی؛

چون دہی ای مہ! زکوۃ عید فطر

بار اوّل کن سر مخلص جدا (ص ۲۵۴)

سر عشر، بضم عین، دہ آیات قرآنی کہ در وقت بسم اللہ با طفال نوشتہ دہند و دایرۂ کہ بر سر دہ آیت مذکورہ نویسند، صائب؛

سر عشر این کتاب مبین است آفتاب

زنہار بر مدار نظر از کتاب صبح (ص ۲۵۸)

شبہای طاق، نوزدہم و بیست و یکم و بیست و سوم ماہ رمضان المبارک کہ زہاد ایران این شبہا را زندہ دارند و شب قدر درین شبہا دانند، مخلص کاشی؛

رخسار و لنفرونت باشد مبارک شبہای طاق این ماہ آن ابروان طاقست

(و این را) شب احیا هم گویند، میر نجات:

عزازدل شوریدهٔ عاشق شناسد   قدر شب احیای سر زلف بتان را (ص ۹۷۹)

اصطلاح دیوانی

حکم بیاضی: علامی فہامی در آئین اکبری نوشته که چون برخی احکام سلطنت درنگ برنمی تابد از جهت تعجیل و اخفای راز منشور مقدس تنها به نگین شاهی پیرایه گیرد و از دفاتر نگذرد و آن را حکم بیاضی گویند، شفیع اثر،

صبح صادق نیست کز جیب افق سر می زند

دارد از رایش بسر حکم بیاضی آسمان

در وقت عرش آشیانی حکم بیاضی معتبر تر از احکام دفتری بوده، در عهد اخلاف آنجناب کم رتبه شده و رسیدش به نگین شاهی هم نمانده، بمهر امرا باشد، لیکن از دفتر نگذرد و ازین جهت کم اعتبار است، نظر باین معنی صائبا گوید،

اگرچه حکم بیاضی بلند رتبه نبود   بدور کردن او اعتبار پیدا کرد (ص ۱۷۲)

نظری با صطلاح میرزایان دفتر است الخ (ص ۳۰۶)

مرغ فلانی د روست می خواند ۳۶۸

آل بزبان ترکی مهر سرخ پادشاه

را گویند از جهت آنکه در قدیم الایام مهر بادشاه بر مناشیر و امثله بر شنجرف می زدند. (ص ۳۰)

آل تمغا در ترکی مهر پادشاه را گویند یعنی مهر سرخ ص ۲۱۔ صائب

روز محشر سرخرو چون لاله برخیزد ز خاک   آل تمغای شهادت هرکه دارد بر جبین

جہانگیر نے توزک (ترجمہ اردو ص ۴۷) میں یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے:

ہمارے آباؤ اجداد جس کو جاگیر عطا فرماتے تھے بطور ملکیت کے عطا کرتے تھے اور اس فرمان کو آل تمغا کی مہر سے مزین کرتے تھے، آل تمغا وہ مہر ہے کہ شنجرف کے ساتھ کاغذ پر لگایا جاتا ہے، میں نے حکم دیا کہ مہر لگانے کی جگہ کو طلائی کرکے اس پر یہ مہر لگائی جائے اور میں نے اس کا نام التون تمغہ رکھا۔

بنیجہ بستن بضم اول و نون و یای حطی معروف و جیم تازی، جمعی کہ بر املاک بندند، و آن دفتر خارج الہال و صادر مملکت موسوم است، ظہوری رباعی:

زخم بر دل دریچہ خواہد بست ٭ نخلم آخر نتیجہ خواہد بست
بر سینۂ من نیچہ خواہد بست ٭ داغ تو کہ چیدہ بر سرہم دفتر

(ص ۱۰۳)

اصطلاح موسیقی:

شہناز نام نوائی است از موسیقی ٭ شفیع اثر:

بجان آتش زند چون از مرقع پردہ بردارد
بہ شہناز شش رسد ہر گاہ گیر اوج شہنازش ٭ (ص ۲۸۶)

مرقع ہم نام نوائی است.

اصطلاح شعری:

شارح دیوان حکیم انوری از تکمیل الصناعہ آوردہ کہ جمع کردن میان حرف عجمی و عربی در قافیہ مانند چپ و طرب، شک و سگ و نتیجہ و دریچہ عیب بغایت ناپسندیدہ است امادر اشعار شعرا بسیار دیدہ شد، چنانکہ در رباعی ظہوری و دریں شعر شوکت و طاہر وحید فلک و سک و ترک و برک ہم آمدہ، شوکت:

چو نفس آید بزاری کی دگر بیم از فلک باشد
کہ خواب کلہ از افسانۂ آواز سگ باشد

وحید:

دیدہ تا دیدہ جمالش دل و جان ترک شدہ است
دلم از داغ جنون لالہ صد برگ شدہ است ٭ (ص ۱۰۳)

دو بحر زدن، شعر ذو بحرین گفتن کہ از صنایع شعری است ٭ ص ۲۲۰

اصطلاح خط و خطاطی:

خط آتشخوان: خطی کہ از آب پیاز بر کاغذ نویسند، چون آنرا بر کاغذ گذارند اشکال حروف بنظر درآید و خوانا شود، خان آرزو:

برزبان حال دارد شمع خاموش این سخن
سرنوشت کشتگانت خط آتشخوان بود (ص ۱۸۵)

خط الماسی وشہابی وعسلی. خط میگون، میرزا صاحب:
از خط الماسی لعل لب جانان مپرس
برق درجانم ازین زرّین گیاه افتاده است
شوکت: پیمانہ بدامن گل آن لعل شرابی برد
ریحان بسفال آتش زان خط شہابی برد
نظیری نیشاپوری:
لعل تو زلبلہ شہد برگوشہ کشید	خط عسلیت گرد رخ گشتہ پدید
یا عکس شفق بدامن صبح افتاد	یا بر تو خورشید بخورشید تنید (ص ۱۸۶)

خط توامان، بردو صفحہ کاغذ نقوش مختلفہ گشتہ، چون آن ہر دو صفحہ را برروی ہم گذارند صورت حروف برنگ سفید از آن نمایان شود، خان آرزو:
دہم یاد ہم آغوشی بدان طفل
کہ مکتوبم بخط توامان است

کبوتر دُم: باصطلاح خطاطان قلمی است بطرز خاص تراشیدہ کہ مشبہ بہ دُم کبوتر باشد، اشرف: گرکنم شوق دل از کلک کبوتر دُم رقم
نامہ زین تقریب خود بال کبوتری شود (ص ۳۲۵)

کتابت کشمیر مکتوبی کہ حروف پیچیدۂ ناخوانا داشتہ باشد چنانکہ حروف براہمہ کشمیر کہ اشکال آن مختلف است بصور حروف براہمہ ہند،
اسیر: گرطوطی خیال خطت نامہ برشود
آئینہ را کتابت کشمیری کند (ص ۳۲۶)

خط دیوانی، خط شکستۂ پرزشت ناخوانا کہ خط میرزایان دفتر است، طالب آملی:

بیاد شمع رایت بی تامل کودک امی　　تواند خواند بر لوح عطارد خط دیوانی ص ۱۸۷

اصطلاح شطرنج :

بقایم ریختن، باصطلاح شطرنج بازان بازی حریف دیدن و از راه عجز مهرها از دست ریختن و گفتن بازی قایم است چه در آنوقت گویند فلانی بقایم ریخت، ظهوری در رساله خوان خلیل در صفت شطرنج بازی ممدوح گوید :

چون بجد رخش بازی انگیزد　　صفت بردار بقایم ریزد　(ص ۹۹)

اصطلاح شکار :

تیغ بخاک کردن کنایه از ترک فتنه و خونریزی است و ماخذ آن رسم شکاریان است که بعد از صید هزار جاندار تیغ بخاک کنند و از شکار دست بر دارند، طالب آملی :

مقرر است که بعد از هزار صید کنند　　بلی شکار رسانان بخاک پنهان تیغ
بدین قیاس همانا شکاری مژه اش　　بخاک کرده بود هر قدم هزاران تیغ

(ص ۱۳۵)

جرگه بفتح اول، روشنی از شکار و آن چنین است که لشکریان گرد صحرا حلقه زنند تا صید بدر نرود و در ترکی آنرا قمرغه گویند،

طالب کلیم : نه چرخ بصیدگاه بخشش

یک دورهٔ جرگهٔ شکار است　(ص ۱۴۴)

اصطلاح بیع و شرا :

دست بدلال و بیع دادن، در صدد بیع و شرا بودن، چه رسمست که در حالت تشخیص قیمت کالا دلال نخستین دست بایع راز یر جامه بدست خود گرفته باشارات معینهٔ اصابع تعین قیمت کند و بعد از آن بهمین دستور بمشتری اخبار کند، محسن تاثیر :

واعظ مکن مصافحه رادست بیع زهد
کی خود فروش دست بدلال می دهد

ظہوری: گر بہ بیعش اجل دہد دستی
کیسۂ پر کنم بہ سود و زیان

دست بزیر سال بردن دلال نیز ازاین است، سعید اشرف:

بہلہ در سودا بود دلال او   میرود دستی بزیر شال او

دست بدست دادن نیز، یکی کاشی:

از تو متاع حسن و ز ما نقد جان و دل
دستم بدہ بدست کہ سودا مبارک است (ص ۲۰۷-۲۰۸)

اصطلاح کیمیاگری:

عمل شمسی و قمری باصطلاح کیمیاگراں طلا و نقرہ ساختن، نعمت خان عالی، فقرہ:

روز و شبی را کہ کیمیاگر ایجاد بعمل شمسی و قمری خزینۂ فیض سازد (ص ۳۰۲-۳۰۳)

سند دو وجودی

آنست کہ چون باکسی معاملت کنند بنابر مزید اعتبار از معامل و آشنا یا برادر او بالاتفاق سند گیرند تا عند الطلب ہر کہ ازان دو استطاعت داشتہ باشد از عہدہ برآید، عامۃ الخلق آنرا سند یک وجودی گویند، محسن تاثیر:

خواہد چو لبش نقد دل از من زبودی
گیرم سند از ہندوی زلفش دو وجودی (ص ۲۶۸)

وارستہ نے بعض ایسی اصطلاحیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں کہ ان سے اس دور اخلاقی پستی اور سماجی برائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مثلاً مصطلحات الشعرا میں لواطت کی بیسیوں اصطلاحات بلا جھجک درج کر دی گئی ہیں، اور ہر ایک اصطلاح کی تائید میں شعرا کے اشعار نقل کئے ہیں، ذیل میں کچھ اصطلاح نقل کی جاتی ہیں، لیکن ان کی تشریح و توضیح نظر انداز کی جاتی ہے۔

برسرپا آمدن	ص ۸۳	دادن	۱۹۴
بند کردن	۱۰۲	رقص ملا	۲۲۱
تاب زخمہ دارد	۱۱۷	زہ گیر	۲۴۴
تنخواہ گرفتن	۱۳۰	سرقوچ توسلات	۲۵۹
چشمہ سلسبیل	۱۵۲	سہوالقلب	۲۷۰
جعلقی	۱۵۳	علم و قلم	۲۰۱
چکمہ مرحاج	۱۵۵	غرقی وغرق	۳۰۴
چلہ نشیں	۱۵۷	قل احمدی	۳۱۵
تنخواہ دادن	۱۵۸	ورکار	۲۹۶
خوش گاہ رس	۱۹۲	نون قوسی	۳۹۱
بتلنک دائرہ بدر کردن ۷۰		لطف گفتی	۳۶۰

(۴) محاورات وکنایات

ان کے علاوہ اور دوسرے فنوں اور پیشوں کے اصلاحات اس مفید کتاب میں ملتے ہیں، لیکن سب سے بڑا عنصر جو اس کتاب میں پایا جاتا ہے، وہ محارات اور کنایات کا ہے۔ اور حق تو ہے کہ اس کتاب کا نام کتاب المحاورات والکنایات زیادہ مناسب ہوتا۔ ذیل میں اس سلسلے میں کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں،

آب و گل کنایہ از قالب بشری

آب طینت بالاضافہ، آبی کہ خاک ابدان بدان سرشتہ اند

آب دندان شکن، آب بسیار سرد

آب برآینہ زدن و ریختن، چون کسی بعزم سفر از خانہ برآید چند

برگ سبز برآئینہ گذاشتہ آب برآن ریزند و این را شگون زود بہم رسانید نہادہ اند

آب روشن رونق و بہا

آبکش برگ، رگ اوراق نباتات
آب بخشیدن چیزی، شستن آنست
آب آتشناک، آب آتش رنگ، آب گلنار رنگ کنایه از شراب
آب بی لجام وافسار خوردن، مطلق العنان وخودسر معاش کردن
آب گرفتن خانہ، خراب وویران شدن خانہ،
آب مرده بالاضافہ، آب غیر جاری وافسرده
آب درسبد کردن مرادف آب درغربال کردن، وآن کنایہ است ارتکاب امر بیفایده
آب جاویدان، آب حیات ۔
آب جو، کنایہ از دولت ومال
آب از دہان رفتن وبدہان گردیدن، کنایہ از آب حسرت بدہان آمدن
آب زیرکاه انداختن، مکاری کردن
آب نشادن، کنایہ از ضائع شدن وقت ۔
آب بردن چیزی، کنایہ از نہایت اشکال وغرابت آن ۔
آب درجگر داشتن، کنایہ از استطاعت مالی داشتن، اگرچہ میر غنضد الدولہ وشیخ عبدالرشید
این محاوره رابنون نافیہ بمعنی مفلس ونادار نوشتہ اند، واز آب در
جگر داشتن انکار دارند، اماشعرا آورده اند چنانچہ آقای رہی شاپور
گوید:

زآسودگیست گر بودت پیرہن درست
از خانیست گر بودت آب در جگر

باد بخود کردن، کنایہ از ناز بالیدن
باد بدامان کردن، کنایہ از غرور رعنائی
باد درکلہ داشتن، کنایہ از غرور ونخوت
بارگرفتن، آبستن شدن

بار بستن زبان، ظہور کردن بر زبان رنگہائی سیاہ وسفید وزرد وسرخ از غلبہ خلطی.
باز کردن، جدا نمودن
پا از پیش بدر رفتن، لغزیدن وکنایہ از غنا بعنا افتادن
پا خاکی کردن کنایہ از سفر کردن
پای قدم جفت کردن، در تلاش کار سعی فوق مقدور بجا آوردن

"[illegible] ذکنایات سے پر ہے، مولف نے چند جگہ ضرب المثل بھی نقل کئے ہیں، اور ان کو محاورے سے الگ رکھا ہے۔ مثلاً"

چوب فلانہ در آبست ص ۱۶۴

درده کرا خوش است رئیس و برادر ص ۲۰۱
درد او درو دیدہ کہ دردانہ اسیر است ص ۲۰۴
سیب تا فرود آمدن ہزار چرخ زند، مثلی است مشہور یعنی تا چشم بہم زنی چرخ ہزار چرخ زند وعجیب چیزہا بروی کار آرد، ماخذ آنکہ پادشاہی بود، سیبی در دست داشت وقاش خربزہ بکارد بر داشتہ در دہان می کرد، در آنحالت بکشتن گنہگاری فرمان داد، او عرض کرد کہ سیب را بہوا باید انداخت تا فرود آمدنش مہلتم بخشند، سلطان ہمچنان کرد، قضارا سیب ہنوز در چرخ بود کہ کارد با قاش خربزہ بحلق ملک فرو رفت و قضا کار خود کرد، گنگار از ہلاک نجات یافت، از آن باز مثل شد (ص ۲۷۱-۲۷۲)
نام آباد دہ ویران مثل (ص ۳۸۲)
آدم بہ آدم میرسد (۱۵)
مبارک مردہ آزاد کرد ۳۶۴
ملا ہم از زین شد کلابی ۲۶۳

اُسیای فلان باب چشمۂ خضر وازآب طلا میگردد (ص ۱۷)
آسیای فلانی از بی آبروی دائر است (ص ۱۷)

(۵) زیرِ نظر کتاب تلمیحات سے بھری پڑی ہے، ان میں سے چند تلمیحات جن میں کچھ ندرت ہے، ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ابن سیرین ایک مُعبّر جس کا نام محمد بن سیرین تھا، حکیم رکنا لکھتا ہے:

سر بسر خوابِ پریشانم بموی زلف دوست ابن سیرین نمی یابم کہ تعبیرم کند (ص ۲۸)

ازرق شامی، نام شخص کہ در شہادت امام حسین معاون شمر بود، تاثیر:

ہر صبح بچشم فلک تیر دعای است ہر شام کہ چرخ کبود ازرق شامی است (ص ۲۵)

پنجۂ مریم، ایک گھاس ہے، کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے دردِ زہ کے موقع اسے ہاتھ میں لیا، اور وہ پنجہ کی شکل اختیار کر گئی، اس کو چھونے سے دردِ زہ میں سہولت ہو جاتی ہے، اس کو بخور مریم بھی کہتے ہیں، سلیم:

چو دایگان ز پی نازِ نش نہادہ صدف زشاخ پنجۂ مرجان در آب پنجۂ مریم (ص ۱۰۴)

ترنج طلا و نارنج زدن، کہتے کہ ایران کی ایک قدیم رسم تھی کہ جب کوئی شہزادی شادی کی عمر کو پہنچتی تو اطراف کے شاہزادے محل میں جمع ہوتے، شاہزادی کوٹھے پر جاتی، اور جس شاہزادے کو پسند کرتی، اس پر ترنج طلا پھینکتی اور اس سے شاہزادی کی شادی ہو جاتی، صاحب نگارستان لکھتا ہے کہ ایران کا قدیم فرمانروا گشتاسپ اپنے باپ سے ناراض ہو کر روم چلا گیا، وہاں شاہزادی سے عقد کے خواہاں امیرزادے جمع تھے، گشتاسپ بھی انھیں میں شامل ہو گیا، اتفاق دیکھئے کہ شاہزادی اس کے حسن وجمال پر شیدا ہو گئی اور ترنج طلا اس پر پھینکا، چنانچہ اس سے گشتاسپ کا عقد ہو گیا۔ (ص ۱۲۴)

تعجب ہے کہ وارستہ کے یہاں پرویز کے ترنج اور ترۂ زریں کی تلمیح، جو خاقانی کے مشہور قصیدے کے ان اشعار میں ہے، نظر انداز ہو گئی ہے:

کسری وترنج زر پرویز و ترہ زرین برباد شدہ یکسر باخاک شدہ یکسان

پرویز بہر خوانی زرّین ترہ آوردی کردی ز بساط زر زرّین ترہ را بستان

پرویز کنوں گم شد زان گم شدہ کمتر گوی　　زرین تمہ کو بر خوان روکم ترکوا برخوان

کف الخضیب : وارستہ نے کف الخضیب کی تلمیح درج نہیں کی ہے البتہ دست برنہادن محاورے کے ذیل میں شفیع اثر کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

سپہر معلی زکف الخضیب　　بفرمان او دست برسر نہاد　(ص ۲۰۶)

کف الخضیب جانب شمال سرخ رنگ کا ایک ستارہ ہے جس کے بارے میں قدما کا یہ عقیدہ تھا کہ اس کے دایرۂ نصف النہار پر پہنچنے پر اجابت دعا کا وقت آجاتا ہے، انوری:

براستقامت حال تو بر بسیط زمین
بر آسمان کف کف الخضیب کردہ دعا

غالب نے کف الخضیب کو غلطی سے صور جنوبی کی ایک صورت بتائی ہے، اس کے طلوع کا وقت: غالب کو معلوم تھا، اختر شناسان ہند کو، قبولِ دعا وقتِ طلوع منجملہ مضامین شعری ہے (غالب کے خطوط مرتبہ خلیق انجم، ۱۹۸۵، ص ۷۰۳) راقم نے اس موضوع پر اپنے ایک مقالے میں تفصیل سے بحث کی ہے　　(دیکھئے غالب پر چند مضامین، طبع دہلی

سجاوندی، علم قرأت کی ایک کتاب ہے جس میں "اوقاف" کی علامتوں پر سونے کے نقطے رکھے گئے ہیں، اور صاحب ہفت اقلیم کے بقول کابل کے نواح میں ایک قصبہ ہے اور صاحب نگارستاں کے نزدیک خاف خراسان کا ایک قصبہ ہے جہاں کا مصنف رہنے والا تھا، اور صاحب رشیدی نے لکھا ہے کہ سیستاں میں ایک پہاڑ ہے جہاں کتے (سگ) بہت ہوتے ہیں، سجاوند اس سے معرب ہے۔

اور سجاوندی کردن یا شدن سے کنایۃً مراد منقش کرنا یا ہونا ہے، تاثیر:

ازحیا گل شود چون آن رخ محجوب سرخ
مصحف خوش خطِ رخسارش سجاوندی شود

اشرف:　خواہم آں رخ راز نقش بوسہ گلبندی کنم
مصحف رخسارۂ او را سجاوندی کنم　(ص ۲۴۹)

سجاوندی کا نام ابوالفضل محمد بن ابو زید طیفور غزنوی تھا، وہ چھٹی صدی ہجری کا علم قرأت کا نہایت مشہور دانشمند تھا، اس کی حسب ذیل تین کتابیں ملتی ہیں۔

۱۔ کتاب الوقف والابتدار، اس میں قرآن کے وقف کے جملہ انواع کی تشریح و توضیح ملتی ہے۔ اسی کو وارستہ نے سجاوندی کہا ہے۔
۲۔ کتاب الموجز: اس میں وقف کے بعض اقسام کی شرح و تفصیل ہے۔
۳۔ کتاب عین المعانی در تفسیر سبع المثانی۔

سجاوندی، سجاوند سے منسوب ہے، سجاوند سگاوند (سکاوند) سے معرب ہے، اور حدود العالم میں ہے کہ ۱۔ استاخ، سکاوند اندخود دیں دو شہر ہیں جو پہاڑ کے دامن میں واقع ہیں، سکاوند میں ایک محکم قلعہ ہے، یہاں کھیتی اچھی ہوتی ہے، ۲۔ سیتان کے نواحی میں ایک پہاڑ ہے۔

سمندِ اسلار، ایک جانور ہے جو سکندر ذوالقرنین کے زمانے میں ظاہر ہوا، کہتے ہیں جس شخص پر سمند اسلار کی نظر پڑ جاتی وہ مر جاتا۔ ارسطو نے جب آئینہ ایجاد کیا اور اس جانور کا عکس جب اس میں نمایاں ہوا تو اس پر اس کی نظر پڑی اور وہ مرگیا۔

غیاث نقش بند: علاج ذات شوقت شومی ذاتت کند آری
سمند اسلار را عکس سمند اسلار می باید   (ص ۲۶۶)

موتی خان بتای ہندی وخای معجمہ نام طنبوریست کہ ابراہیم عادل شاہ حاکم بیجاپور داشت، از بس توغل بعلم موسیقی اینمہ عزیزش می انگاشت کہ چون از جائی بجائی بردند در تخت روان گذاشتہ علم ونقارہ وکرنا ہمراہ می بود وامرا اورا کورنش میکردند، سنجر کاشی در قصیدۂ مدح پادشاہ مذکور گوید:

روا ست کورنش وتسلیم از آن بہ موتی خان
کہ شاہ چون خلفانش گرفتہ در دامن
دری کہ دامن شاہش صدف بود شاید
کہ جان فشاندش از ہر دایۂ معدن

دراصل اس طنبور کا نام موتی خاں نہیں بلکہ موتی خاں تھا، ابراہیم عادل شاہ کی تصنیف

کتاب نورس میں اس طنبور کا نام کئی بار موتی خاں درج ہے، اس کے صحیح تلفظ کا تعین ملک قمی کی ایک رباعی سے ہوا جس میں "موتی خاں" بطور قافیہ استعمال ہوا ہے، اور اس کے دوسرے قوافی لاہوتی، ناسوتی ہیں۔ تیس سال سے زیادہ ہو رہے ہیں، مشہور محقق قاضی عبدالودود نے "موتی خاں" کی قرأت کے بارے میں مجھ سے سوال کیا، میں نے ملک قمی کی متعدد رباعیوں میں جو اس طنبور کی تعریف میں نظم ہوئی ہیں، وہ رباعی پڑھی جس کے قوافی لاہوتی، ناسوتی ہیں، اس سے وہ مطمئن ہو گئے کہ وارستہ کا "ٹ" سے اندراج صحیح نہیں، مجھے قاضی صاحب کے سوال پر انتہائی حیرت ہوئی کہ انھوں نے وارستہ کی مصطلحات الشعرا کو کتنی دقت نظری سے مطالعہ کیا ہے، دراصل ہمارے قدما کا علم و فضل اسی نوعیت کا تھا، آج کل کے دانشمندوں نے تو اس کتاب کا نام نہ سنا ہوگا، اس کے مطالعے کا کیا سوال۔

لہ چند مثالیں یہ ہیں (کتاب نورس (انگریزی) طبع دہلی ۱۹۵۶)

بیگ ملا رے پیارے سجان　　نا بھاوے سکہ مجھان پان
ابراہیم برسے موتی خان　　(گیت ۳۴)

لہ آراستہ شاہدی است در مجلس خاص　　صد جا کمر خویش بہ خدمت بستہ کلیات

ساز تو ز نغمہ گشت لاہوتی خان　　گستردہ ز نغمہ ہای ناسوتی خان　　۴۷،
بحرین و بدخشان چو مطالب گشتند　　شد دست تو لعل داد و موتی خاں

ظہوری کی دو رباعیاں یہ ہیں:

این ساز کہ تاج تارک تکریم است　　بر زہرہ ز رتبہ صد تقدیم است
در کعبۂ دل ز وحدت غم پامال است　　از دست گرفتگان ابراہیم است

شاہ ابراہیم در ہنر جمشید است　　ہر مطرب بزم عشرتش ناہید است
تار است خط شعاع بر طنبورش　　آری ز فروغ عارضش خورشید است

جھنن جھنن موتی خاں کی تانت گاجے
تال بردنگ بھید سوں نورس باجے (گیت ۲۷)

موتی خاں ساگر ابہاں پور تاپرتنت کلول لہو گور (گیت ۱۵)

موتی خاں باجا کو بھید کو واکی بتانواتیت لچھن (گیت ۲۳)

اس طنبور کی تعریف میں ملک قمی اور ظہوری نے کم از کم ۱۲۸ رباعیاں نظم کی تھیں، ملک کی رباعیاں یہ ہیں؛

طنبور تو تار و پود عشرت بستہ با عیش ابد عقد اخوت بستہ

(۶) مصطلحات الشعرا باوجود اس کے کہ ایک فنی کتاب ہے، لیکن اس میں نفیس تاریخی و فرہنگی واقعات درج ہیں، ان کی وجہ سے اس فنی کتاب کی تاریخی و علمی اہمیت بھی مسلم ہو جاتی ہے، بعض واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

تنورہ زدن، ہوا گرفتن دیو است از ترجمہ مہابھارت کہ نقیب خان حسب الحکم عرش آشیانی و استصلاح شیخ علامی تصنیف نمودہ معلوم شد (ص ۱۳۰)

بہبہان شہر یست پای تخت کوہ کیلویہ کہ ساکنان آنجا ہمہ نا مفید وارذل اند وسیم آنجا ہم کم عیار است، والہ ہروی

اثرہای نیکو ز نام نکونہ گو اہم عیار زر بہبہانی (ص ۱۰۷)

چہرہ معشوق نو خط، این لفظ در ظفر نامہ شرف الدین علی (یزدی) و واقعات بابری کہ عبدالرحیم خان خانان رحیم تخلص حسب الحکم عرش آشیانی از لغت ترکی بفارسی ترجمہ نمودہ بمعنی غلام بیار است و از فرہنگ ترکی نیز بمعنی غلام معلوم شد و صاحب تذکرہ دولتشاہی نیز بہمیں معنی آوردہ۔ (ص ۱۶۵)

چوب سیاق، چوب زدن سلاطین اتراک مجرمان را بدستور و قاعدۂ کہ معین آنہاست، چوب یاسا بحذف ق نیز گویند، سیاق و یاساق و یاسا تورو آئین ترکانست۔

صاحب تذکرۂ دولت شاہی می نویسد کہ دریاساق مغل ہر کس روز در آب رود و غسل کند کشتنی باشد۔۔ در ظفر نامہ گفتہ، فقرہ:

تمام یساق آنحضرت ترک کردہ و اموال و خزانہ را باسراف و بتذیر تلف نمودہ (ص۴)

حروفی، فرقہ ایست کہ احداث عقاید کنند، الحروفیون المحدثون، وحید:

این رقصیان بنام صوفی　　یا نقطوی اند یا حروفی "(ص ۱۶۸)

یہ فرقہ تیمور کی حکومت کے زمانے میں ایران میں رائج ہوا، اس کی تاسیس فضل اللہ استر آبادی نے ڈالی، اس کے عقاید کی بنیاد حروف اور ان کی تاویلات پر ہے، حروفیوں پر کافی لٹریچر وجود میں آچکا ہے، اس کا شعری ادب فارسی اور ترکی میں کافی اہمیت حاصل کر چکا ہے، اگرچہ اس فرقے کے پیرو ایران میں نہیں رہے لیکن ترکی میں بکتاشی درویش کے نام سے انھوں نے کافی ترقی کی (فرہنگ فارسی متن ۵ ۱ ۵۷ م)

نقطوی، فرقہ ایست از حکما کہ برای آفرینندہ جسم و جان ثابت کنند، و آن قوم را مجسمہ نیز خوانند، ظہوری:

این یوز کز اندازوی انداز رساست
از تیزی ناخنش خرد عقدہ کشاست
دیباچۂ پیکرش نشد حرف پذیر
گر نقطویانش بپرستند بجاست　(۲۸۸-۲۸۹ ص)

نقطوی پسیخانی بھی کہلاتے ہیں، اس کا بانی محمود پسیخانی گیلانی تھا جس نے ۸۰۰ھ میں اس فرقے کی بنیاد ڈالی، ابتدا میں وہ حروفی فرقے میں شامل تھا، لیکن اس نے وہ مذہب ترک کر کے نقطوی مذہب کی بنیاد ڈالی، اس کی وفات ۸۳۱ھ میں ہوئی، صفویوں کے زمانے میں اس مذہب کے ماننے والوں پر بڑا ظلم و ستم ہوا، محمود پسیخانی کا عقیدہ تھا کہ سب چیزوں کا مبدا خاک ہے جس کو وہ نقطہ کہتا تھا، نقطوی قیامت، بہشت، دوزخ عاقبت کے قائل نہ تھے، وہ انسان کامل کی پرستش کرتے اور تناسخ کے قائل تھے (فرہنگ معین ج ۶ ص ۲۱۴۱)

راقم السطور نے نقطویوں پر کئی مقالے لکھے ہیں، آخری مقالہ مجلہ علوم اسلامیہ سال رواں میں شائع ہوا ہے، ڈاکٹر صادق کیا کی کتاب "نقطویاں یا پسیخانیاں" اس مذہب پر نہایت اعلیٰ تصنیف ہے۔

_____ حسن صباح نام مزوریست کہ تفصیل مکاری او درکتب تواریخ مفصلاً و در تذکرہ دولت شاہی مجملاً مسطور است، نعمت خان عالی در محاصرہ حیدرآباد گوید، فقرہ!

کفایت خان کہ درامور ملکی رسیدنش از حسن صباح بیش است دہقانان را طلبیدہ گفت کہ انتم تزرعونہ ونحن الزارعون (ص ۱۷۰)

حسن صباح کی بابت یہ اطلاع نہایت ناکافی ہے، وہ اسماعیلیہ مذہب کے فرقہ نزاریہ کا پیرو تھا، اس کا باپ صباح یمن سے کوفہ، پھر قم اور رے آگیا، حسن کی ولادت رے میں ہوئی، باطنیوں کی دعوت پر اس نے اسماعیلی مذہب قبول کر لیا، ۴۶۴ میں عبدالملک[۲] عطاش رے آیا اور حسن نے اس کو اپنا نائب بنایا، حسن صباح ۴۷۱ میں مصر پہنچا، اور اپنے ڈیڑھ سالہ قیام میں مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر کے بیٹے نزار کا طرفدار رہا، ۴۷۲ میں ایران واپس

---

[۱] نقطوی فرقے پر ایک رسالہ ۱۳۲۰ شمسی ۱۹۴۱ء میں بعنوان نقطویان یا پسیخانیان تہران سے فارسی میں شائع ہوا، اس کے ماخذ میں ۲۴ کتابیں تھیں، راقم نے ۱۶ اور کتابوں کے اضافے سے ایک مقالہ فرقہ نقطوی کے نام سے فکر و نظر نمبر ۱، ۱۹۶۰ میں شائع کیا، ۱۹۶۹ میں ڈاکٹر محمد اسلم کی کتاب "دین الہٰی اور اس کا پس منظر" شائع ہوئی، اس میں نقطویوں پر ایک نئی کتاب مبلغ الرجال مؤلفہ خواجہ عبیداللہ بن خواجہ باقی باللہ کا ذکر تھا اس کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہے، ۱۹۸۹ء پروفیسر نظامی کی کتاب AKBAR AND RELIGION شائع ہوئی اس میں اکبر کا وہ فرمان ہے جو نقطوی سربراہ میر احمد کاشی کے نام تھا نئے ماخذ کی روشنی میں راقم نے فرقہ پر ایک مقالہ مجلہ تحقیق (سندھ یونیورسٹی) میں شائع کیا، پھر وہی نظر ثانی کے مجلہ علوم اسلامیہ ج ۱۹، ۱۹۹۴ میں شائع ہوا۔

[۲] عبدالملک عطاش اور اس کے بیٹے احمد عطاش کے بارے میں دلچسپ واقعات راحۃ الصدور راوندی چاپ ڈاکٹر محمد اقبال ص ۱۵۵–۱۶۱ پر درج ہیں۔

آیا اور ایران کے جنوبی صوبوں میں بالخصوص خوزستان اصفہان یزد کرمان میں اپنی دعوت کی اشاعت کی رفتہ رفتہ وہ دامغان اور دوسرے خطوں میں بھی دعوت میں سرگرم رہا، اور اپنے داعی دیلمان، طبرستان اور الموت بھیجے ۴۸۳ھ میں الموت کا قلعہ اس کے قبضے میں آگیا اس کے بعد اس کی دعوت میں بڑی وسعت پیدا ہوئی اس کے داعی قہستان تک پہنچ گئے اور اس اطراف کے قلعوں پر اپنا قبضہ جمالیا، سلجوقیوں نے اس کی بڑھتی ہوئی طاقت روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے، حسن نے دامغان اور لمسر (لمبسر یا رودبار الموت) پر اپنا قبضہ جمالیا، اور کیا بزرگ امید کو جو لمبسر کا محتشم تھا، اپنا جانشین بنایا، اس کی وفات ۵۱۸ھ میں ہوئی۔

(فرہنگ معین ج ۵ ص ۴۵۹)

معرّف در فارس قومی است کہ آنرا معرفیہ خوانند، چون کسی بمیرد روز سوم یا چہارم نظم یا نثری در تعریف وتعزیت مرحوم درست کردہ بر روی ابنا و اقوامش خوانند و از آنہا نقدی و خلعتی ستانند (ص ۴۷۱)

—— قیلی طایفۂ ایست از کُران کہ بعیاری معروف اند، حسین خان عباس کُرقیلی انامرای شاہ عباس ماضی از آن جماعۃ بود، محسن تاثیر:

دارد آن شوخ عجب دزد نگاہی تاثیر

می رباید دل اگر از کُرقیلی باشد (ص ۳۰۹)

—— کُربالقم قومی بود از ذرّیات شیاطین، حضرت سلیمان معتمدی را جہت آوردن جواری باکرہ بہ ترکستان گسیل کردہ حرزی باو آموختہ بود کہ از شر ابالسہ محفوظ باشد، چون او با نیل مقصود برگشت قضارا در منزلی حرز محفوظ از یاد برد، ابالسہ وقت غنیمت دانستہ باجواری جمع شدہ ازالۂ بکارت نمودند، چون حضرت سلیمان جواری را ثیبہ یافت از آن شخص پرسید کہ ہیچ جا حرز را فراموش کردی، گفت: بلی در فلان منزل، حضرت سلیمان امر کرد تا کنیزان را در ہمان منزل برد و ہمان جا گذاشتہ برگشت، ابالسہ باکنیزان در آمیختند و قوم کُراز آنہا بوجود آمدند نقل از نگارستان۔ (ص ۳۵۹)

—

کپیتان[1] بکاف تازی دبای عجمی دیای حطی.. ریش سفید صاحب اختیار مہمات بادشاہ فرنگ وکسی کہ ازجانب ملک فرنگ داروغہ بندرعباسی باشد از عالم آرای عباسی اسکندر بیگ منشی معلوم شد، میر نجات،

خوشادی کہ کپیتان حسن یار شود
زفیض بادہ کشی سید گلستانہ

وگلستانہ[2] نام جائی است از ولایت ایران (ص ۲۲۳)

قلعہ الموت نام قلعہ است در قہستان دیلم کہ حسن بن زید در شہور سنہ اربعین و مائتین بنا کردہ دراصل آلہ اموت است یعنی آشیانہ عقاب چہ آلہ بالف ممدوہ ولام مضموم عقاب وآموت آشیانہ، و میرزا در کارستان درصفت قلعہ گوید، فقرہ 'قلعہ الموت از ممدودہ تشکش صورت مرگ در خود دید۔

(ص ۳۱۵)

فرہنگ معین ۵ ص ۱۷۶: الموت ۔ آلموت ۔ آلہ اموت بمعنی آشیان عقاب یا عقاب آموز

۱۔ قلعہ ای از کوہہای طالقان بین قزوین وگیلان۔

۲۔ قلعہ ایست کہ بر فراز کوہ مزبور قرار داشتہ ومدتہا مقر ومرکز عملیات حسن بن صباح اسماعیلی وپیروانش بودہ۔

نزہت القلوب ص ۶۰-۶۱: رودبار ولایتی است کہ شاہرود بر میانش می گذرد و بدان باز میخوانند، و در شمال قزوین شش فرسنگی افتادہ است در آنجا قریب بر پنجاہ قلعہ حصین مستحکم است وبہترین آن قلاع الموت، ومیمون دژ ولنبسر بودہ ومعتبر ترینہا ہمہ قلعہ الموت.. الداعی الی الحق حسن بن زید الباقری در سنہ ست وار بعین و مائتین ساخت۔

---

[1] خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ لفظ انگریزی لفظ CAPTAIN سے معرب ہے۔

[2] گلستانہ اصفہان کا ایک محلہ ہے جہاں کے سادات مشہور ہیں، وہاں کے تین مشہور فاضل سادات گلستانہ کے نام سے فرہنگ معین ج ۶ ص ۱۷۷۱ میں مذکور ہیں

تاریخ میں قلعۂ الموت کی اہمیت کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ علامہ میرزا محمد قزوینی کی کتاب یادداشتہای قزوینی جلد سوم، ۱۳۴۲، ج ۱-۲ (ص ۱۰۲-۱۰۷) میں ان سارے منابع کا ذکر ہوا ہے جس میں قلعہ الموت کا ذکر ہے۔ حسن صباح اسماعیلی کے قبل اسفار بن شیرویہ الدیلمی کے احوال کے ضمن میں ۳۱۶ھ کے حوادث کے ذیل میں الموت کا نام بالتکرار ملتا ہے، ابن الاثیر کے علاوہ مجمل التواریخ میں ہے کہ جب اسفار بن شیرویہ رے اور اس کے اطراف پر قابض ہوا، مرداویج بن زیار جیلی اس کے ساتھ تھا، دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور مرداویج اسفار کا وزیر ہو گیا، اسفار نے لاکھوں دینار الموت جہاں خزانہ تھا بھجوایا، مرداویج نے تقریباً تین لاکھ اس میں سے لے لیا، اس کی بنا پر اسفار اور مرداویج سے آویزش ہوئی اور اس آویزش میں اسفار مرداویج کے ہاتھوں قتل ہوا اور مرداویج کے لیے حکومت کا راستہ صاف ہو گیا۔

مجمل التواریخ میں پھر ہے کہ سلطان محمد بن ملک شاہ نے باطنیوں کے قلع قمع کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس وقت حکومت سے جتنے معزز وابستگان تھے وہ باطنی قاتلوں سے بہت محتاط تھے، سلطان قلعہ الموت پر جو اسماعیلی باطنیوں کا ملجا و ماوی تھا برابر حملہ کرتا رہا اور اس کے اطراف کے بعض قلعوں پر قابض بھی ہو گیا لیکن ابھی قلعۂ الموت فتح نہیں ہوا تھا کہ سلطان محمد بن ملک شاہ کا انتقال ہو گیا، اور سپاہ جو قلعہ کی تسخیر پر مامور تھی منتشر ہو گئی۔

(یادداشتہای قزوینی۔ ۲ ص ۱۰۵)

راحۃ الصدور راوندی میں بھی سلطان محمد بن ملک شاہ کی کوششوں کا ذکر ہے جو اس نے ملاحدہ کی طاقت ختم کرنے کے سلسلے میں کی، صاحب راحۃ الصدور لکھتا ہے (ص ۱۵۲)

دین کے اعزاز اور ملعون ملاحدہ کے قلع قمع اور اس طرح ملت اسلام کی حفاظت میں اس نے بڑی جدوجہد کی، گویا قہر کے ہنسیے سے کفر و بدعت کے کانٹے کو کاٹ کر صاف کر دیا، جس نے در اصفہان پر دز کوہ کو دیکھا ہو گا وہ جان سکے گا کہ اس بادشاہ نے قلعے کے فتح اور اس طایفے کے قمع میں کتنی کوشش کی ہو گی، اور حق بات تو یہ ہے کہ اگر اس کو وہ فتح نصیب نہ ہوتی تو دین اسلام کا قلع قمع ہو جاتا، سات سال تک یہ نیک بادشاہ مجاہدہ کرتا رہا اور لمحہ بھر آرام نہ کیا یہاں تک کہ اس بڑی رکاوٹ کو اسلام کی راہ سے ہٹا دیا۔

اسی بادشاہ کے زمانے میں عبدالملک عطاش اصفہان سے بھاگ کر حسن صباح کے پاس پہنچا اور الموت میں باطنیوں کی قیادت سنبھالی، یہاں اس کا بیٹا احمد عطاش فتنہ پردازی میں مشغول اور باطنی تحریک کے آگے بڑھانے میں معروف رہا۔ وہ دزکوہ پر قابض تھا اور بڑی مشکلوں سے اس کو شکست دی جا سکی، ابھی وہ ملاحدہ کے فتنے فرو کرنے ہی میں مصروف ہی تھا کہ اس کی وفات ہو گئی، اور انوشکین شیرگیر کو جو الموت کا محاصرہ کیے ہوئے، مہم چھوڑ کر اصفہان واپس آنا پڑا اور اگرچہ اس کی وفات (۵۰۱ھ) پر اس کا بھائی سلطان سنجر جیسا جلیل القدر بادشاہ تخت نشین ہوا، لیکن وہ بھی ملاحدہ کے خلاف کوئی معقول اقدام نہ کر سکا۔ حالانکہ کم و بیش اس کی حکومت کی مدت ۶۱ سال رہی (راحۃ الصدور ص ۱۶۱)

اسی سلطان محمد کے دور کا مشہور قصہ احمد عطاش کے اصفہاں لائے جانے کا ہے۔

وارستہ کی صلاحیت کا تقابلی مطالعہ!

وارستہ فارسی فرہنگ نویسی میں بڑا کمال رکھتا تھا، الفاظ کی تحقیق و تنقید میں بلاشبہ خان آرزو (وفات ۱۱۶۹) اور ٹیک چند بہار کے ہم پلہ نظر آتا ہے۔ وہ اندھی تقلید کا قایل نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس کی کتاب کے بیشتر الفاظ، فقرات، مصطلحات، محاورات وغیرہ قدما کے یہاں ملتے ہیں، مگر وہ سب پر تحقیق کی نظر ڈالتا ہے، اور جو کمی یا نقص نظر آتا ہے، اس کو دور کرتا ہے، کبھی کبھی کسی لفظ کی توضیح و تشریح میں زیادہ سند پیش کر کے اپنا بیان زیادہ مدلل کر دیتا ہے، اسی وجہ سے اس کے یہاں اکثر محققین اور نقاد کی کھلی تنقید ملتی ہے، البتہ مجھے ذاتی طور ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کہ زبان کے معاملے میں ہندوستانیوں کا بیان سند کا درجہ نہیں رکھتا، اہل زبان کو بلاشبہ غیر اہل زبان پر اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے کہ تخلیقی ادب میں ان کا پلہ بھاری رہتا ہے، لیکن تنقید و تحقیق میں، خواہ تاریخی و ادبی ہو، خواہ لسانی و فرہنگی، اہل ایران اور اہل ہند دونوں برابر ہوتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہندوستان میں فارسی کے اتنے لغات نہ لکھے جاتے، فرہنگ نگار اس

وقت تک فرہنگ نویسی میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک زبان و ادب پر پوری دستگاہ نہ رکھتا ہو، اور جیسا کہ معلوم ہے اکثر و بیشتر فرہنگیں ہندوستان ہی میں لکھی گئیں، اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ لغات و فرہنگ کے علم میں اہل ہند اہل ایران سے ہرگز پیچھے نہیں، وارستہ احساس کمتری کا شکار ہے، اسی وجہ سے وہ اس مکتبۂ خیال سے وابستہ ہوا جو اہل ہند کی فارسی دانی کے قایل ہی نہ تھے، مجھے ڈاکٹر عبداللہ کے اس بیان سے اتفاق نہیں جو وارستہ کی مدح میں ہے:

"ہر واژہ و محاورہ را مورد دقت قرار میدہد و ہر قسمت آن را مثل یک نفر ایرانی الاصل بررسی می نماید۔"

مجھے کہنے دیجئے کہ بعض اہل ہند نے فارسی زبان دانی کا جیسا ثبوت اپنی تصانیف سے دیا ہے۔ اس کی مثال اہل ایران پیش نہیں کر سکے ہیں۔ ان زباندانوں میں عبدالرشید ٹھٹھوی ٹیک چند بہار، سراج الدین علی خان آرزو، اور خود وارستہ کے نام بلا جھجک پیش کئے جا سکتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ وارستا ہوں کو کسی شمار و قطار میں نہیں رکھتا، حالانکہ وہ خود بیسیوں ہندوستانی شعرا کے کلام سے شواہد پیش کرتا ہے۔ وارستہ کے اسی جذبے کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے ماخذ میں "محاورہ دانان ایران" کا اضافہ کرتا ہے۔ یہ زبان دانان ایران کون تھے؟ ان سے وارستہ نے کب اور کہاں ملاقات کی، پندرہ سال وہ کن محاورہ دانوں سے ملتا رہا۔ اس نے واضح طور پر بیشتر الفاظ کی توضیح کے آخر میں محاورہ دانان ایران کا مخفف نشان "مع" لکھ کر ہم جیسے لوگوں کو ڈرا دیا ہے کہ اس نے اپنی کتاب کے تقریباً سارے مندرجات کی سند اہل ایران سے حاصل کر لی ہے۔

لیکن اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ مجھے وارستہ کی فرہنگ نویسی کی فضیلت سے انکار ہے، میرے نزدیک وہ ہندوستان کے ان چند فرہنگ نویسوں میں ہے جن کی قابلیت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے، لیکن اس نے بلا استثنا سارے اہل ایران کی زباندانی اور فرہنگ نویسی کی صلاحیت کا ڈنکا پیٹ کر ہندوستانیوں کو رسوا کیا ہے، وہ علی حزین اصفہانی کا پیرو تھا اور مجھے یہی خیال ہوتا ہے کہ "محاورہ دانان اہل ایران" (مع) سے مراد علی حزین اور ان کے چند ہمنوا ہوں گے۔

وارستہ نے سراج الدین علی خان آرزو سے بڑا استفادہ کیا ہے، کہیں کہیں اس کے بیان میں کچھ اضافہ، کہیں اختلاف کیا ہے، کہیں اس کے اشعار بطور سند پیش کیے ہیں، چند مثالوں سے اس کی توضیح ہو جائے گی۔

خان آرزو کی چراغ ہدایت سے اس طرح استفادہ ہوا ہے:

چراغ ہدایت (آرزو)	مصطلحات (وارستہ)
آب بر آئینہ زدن و ریختن: رسمی است کہ در قفای شخص کہ بہ سفری رود آب بر آئینہ بریزند کہ بسلامت باز آید و این را شگون می دانند طغرا: کوی تو منزل کہ در سفر آشنا بہ در رخ آئینہ آب از پی بیگانہ ریز	چون کسی بعزم سفر از خانہ برآید، کس در کوی او چند برگ سبز بر آئینہ گذاشتہ آب بر آن ریزند و این را شگون زود بہم رسید نہادانند (محاورہ دانان ایران) نظام دست غیب: دیدہ را ترکنم از اشک چو رفتی از بزم در قفای سفری آب بر آئینہ زنند طغرا: کوی تو منز لگاغ

ان دونوں بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ وارستہ نے خان آرزو سے استفادہ کیا ہے، معنی میں چند لفظوں کا اضافہ ہے جس سے اصل بیان میں کوئی فرق نہیں پڑتا، وارستہ کی زیادتی ہے کہ اس بیان کا ماخذ چراغ ہدایت کے بجائے "محاورہ دانان ایران" قرار دیتا ہے وارستہ نے ایک شعر تو آرزو سے لیا ہے، مگر نظام دست کا شعر خود اس کا اضافہ ہے، اس نے تاثیر کے شعر کو نظر انداز کر دیا ہے، وارستہ نے طغرا کے شعر کے بعد گریستن آئینہ، و چشم تر کردن آئینہ، و آئینہ از پی داشتن و آب از پی ریختن ہمان، پھر صائب، سنجر کاشی، یحیٰی کاشی کے اشعار سے معنی کی فصاحت کی ہے۔

چراغ ہدایت (آرزو)	مصطلحات (وارستہ)
آب بہ پوست افگندن میوہ: آنست کہ چون میوہ بہ پختگی رسد آب از جوہر میوہ بہ پوست	آب بہ پوست افگندن میوہ: اکثری بر آنند کہ کنایہ از بالیدن است و ماخذ آن بالیدن دلو

آید و پوست از خشکی برطوبت گراید، لہذا طفلی را کہ بالغ شود باصطلاح رندان گویند کہ آب بر پوست افگندہ است و مثل

مشک پر آبست و بعضی گویند کہ چون میوہ بہ پختگی رسد آب از جوہر میوہ بر پوست آید و بالیدہ شود، اینہا الملاق آن را بر میوہ دانند۔۔ اس کے بعد ظہوری کی رباعی، سلیم کا ایک شعر اور ساطع کا ایک جملہ نقل کیا ہے۔

میوہ رسیدہ، سعید اشرف ؎

میوہ شیریں تر شود چون آب انداز بر د پوست

ان دونوں کے مطالب پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہے کہ وارستہ نے خان آرزو کے بیان پر اضافہ کیا ہے، پھر دو تین دوسرے شاعروں اور ایک نثر کے جملے سے مطالب کی توضیح کی ہے۔

چراغ ہدایت (خان آرزو)

بت اشرفی، صورتی است کہ بر اشرفی سکہ کنند وظاہر امراد از اشرفی ہون است کہ رائج دکن است، بآنکہ مطلق طلای مسکوک را اشرفی خوانند، اشرف:

اشرف از حرص چہ چسپی بہ زر و سیم مگر
چون بت اشرف از بہر زرت ساختہ اند

مصطلحات (وارستہ)

بت اشرفی یا بت زر، صورتی کہ بر اشرفی مسکوک کنند، در عہد اکبری و جہانگیری در ہند بیک روئے اشرفی صورت گاو و آہو و امثال آن نقش می کردند، مولف ازیں قسم اشرفی دیدہ، لمغرا:

رخسار بت زر کہ بنودش مژہ یک سو
تا گشتہ نظر کردۂ آن رو مژہ دارد

و اشرفی کہ ہر دو رویش صورت مسکوک باشد، آن را دو بتی گویند، صادق دست غیب

از سکہ ہر شاں بہ بازار وفا
قلم چو طلای دو بتی گشت عزیز

(ص ۷۰)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ مولف کا مقصود جہانگیری کے

سونے اور چاندی کے ۱۰۱۴ اور ۱۰۲۷ کے ڈھلے ہوئے سکوں سے ہے، یہ سکے احمد آباد اور آگرے کے ڈھلے ہوئے تھے، اس کے علاوہ جہانگیر کا عکس بھی بعض سکوں پر تھا، ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں اس طرح کے سکے شیرانی صاحب کے ذخیرے میں تھے۔

راقم السطور کا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے یہ اضافی بیان غیر ضروری ہیں اس لیے کہ وارستہ نے صرف سونے کی اشرفی کا ذکر کیا ہے، چاندی کے سکے کا نہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ توزک جہانگیری میں جہانگیر نے جو اپنے سکوں کی تفصیل دی ہے، اس میں اس نوع کی اشرفی کا ذکر نہیں، سر سید مرحوم نے جہانگیر کے بعض چاندی کے سکے حاصل کیے جن کا ذکر توزک کے مطبوعہ نسخے میں ہے، اور راردو ترجمے (ج ۱ ص ۶۰-۶۲) میں بھی پایا جاتا ہے۔

ذیل میں چند مثالیں ایسی ہیں جن میں وارستہ نے خان آرزو پر اعتراض کیا ہے:

پس کار نشستن بمعنی مشغول شدن کے ذیل میں آیا ہے۔

صاحب سراج اللغۃ در شرح ایں بیت شیخ شیراز کہ:

شاید پس کار خویشتن نشستن　　　لیکن نتوان دہان مردم بستن

معنی پس کار نشستن گذشتن از کار و مطلب نوشتہ و حال آنکہ این معنی باستناد اشعار مذکورہ خلاف قدما و متاخرین است، نون نافیہ کہ در شعر شیخ بر سر نشستن است وافادۂ ترک کار و مطلب می کند آن را موحدہ فہمیدہ کہ منشای غلط گردید (ص ۹۵)

(صاحب سراج اللغۃ یعنی خان آرزو شیخ سعدی کی حسب ذیل بیت میں:

شاید پس کار خویشتن نشستن　　　لیکن نتوان دہان مردم بستن

(اپنے کام کو چھوڑ دینا ممکن ہے لیکن لوگوں کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا)

(پس کار نشستن کے معنی کاروبار بند کر دینا لکھا ہے حالانکہ یہ معنی قدما اور متاخرین کے خلاف ہے جیسا کہ مندرجۂ بالا اشعار سے واضح ہے، اور نون نفی جو شیخ کے شعر میں نشستن، میں ہے اور جس سے ترک کار و مطلب مراد ہے، اس کو مثبت سمجھا ہے، اور یہی ان کی غلط فہمی کی بنیاد ہے۔)

روزگاراست درتمنی و ترجی گویند یعنی کارعالم است شاید نقش بمراد نشیند،
سالک یزدی:

سالک منشین بہ نامرادی ــــ نومید مباش روزگاراست

صاحب سراج اللغۃ نے شرح گلستان میں لکھا ہے کہ "نامرادی" لفظ غلط ہے اس لیے کہ "نا" کا سلب اس جگہ ضروری ہوتا ہے کہ "مواطات"، کی صورت ہو یعنی مبتدا کی خبر بغیر زوایدکے آئے (مواطات)؛ وارستہ کہتا ہے کہ یہ ایسے کیسے ہوسکتا ہے، متقدمین جوان کے امام فن ہیں، ان کے کلام اس لفظ (نامرادی) کی صحت کی دلیل ہیں، تو اس کو غلط قرار دینا بڑی غفلت کی بات ہے۔ (وارستہ ۲۲۵)

وارستہ نے حسب ذیل اشعار پیش کیے ہیں جن میں نامرادی کا لفظ موجود ہے۔

آصفی: ہمہ شب آصفی دست دعا برآسمان دارد
زروی نامرادی ماندہ سر در پای دیوارست

طالب کلیم: درکنج نامرادی تاکی زمنع دشمن
درزیر سرگذارم دست دراز خود را

حیاتی گیلانی: زنہال نامرادی منم آن فتادہ برگی
کہ زحسرتی کہ دارم ہمہ شاخسار گویم

طغرا: مراد چرخ بود نامرادی ہمہ عالم
مراد او چو برآید کسی مراد ندارد (ص ۲۲۵)

غالب کے زمانے میں "نامراد"، کی عدم صحت کا مسئلہ اٹھا تھا، چنانچہ انھوں

لہ مواطات موافقت کرنا، اصطلاحاً مبتدا کی خبر بلا واسطہ ہو، یعنی اس میں ذو وغیرہ کا انضمام نہ ہو، جیسے زیدٌ قایمٌ بخلاف زیدٌ قیامٌ، قیام کے بجائے ذو قیام۔
(غیاث اللغات، فرہنگ معین ج ۶ ص ۲۴۱۹)

نے مرزا تفتہ کے نام کے ایک خط میں اس طرح لکھا تھا۔

سنو میاں میرے ہم وطن یعنی ہندی لوگ جو وادی فارسی دانی میں دم مارتے ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دے کر ضوابط ایجاد کرتے ہیں جیسا وہ گھا گھس، الو عبدالواسع ہانسوی لفظ نامراد کو غلط کہتا ہے الخ (غالب کے خطوط ج ۱ ص ۲۳۶) حق یہ ہے کہ خان آرزو ہوں یا ہانسوی انھوں نے "نامرادی" کے لفظ کو غلط قرار دینے میں بڑی غلطی کی ہے، وارستہ کا بیان اس کے غلط ثابت کرنے کے سلسلے کا اوپر نقل ہو چکا ہے، ذیل میں جدید دور کے سب سے معتبر محقق ڈاکٹر معین ایرانی کا قول نقل کرتا ہوں:

(الف) نامراد ۱۔ آنکہ بمقصود نرسیدہ، محروم، ناکام! "چاشت وشام شاعران مفلس و نامرادان بینوا از دسترنج دکان او بود"

(عالم آرا، چاپ امیر کبیر ج ۱ ص ۸۸)

۲۔ ناراضی، ناخشنود

۳۔ بنومیدی، بناکامی

وزان خشت زرّین شدّاد عاد

چہ آمد بجز مردن نامراد (نظامی)

(ب) نامرادی ۱۔ ناکامی، بی مرادی، حرمان، یاس؛

بہ مجالست و مناقشت اہل آن بقعہ۔۔ تزجیت ایام نامرادی می کردم

(مرزبان نامہ ۱۳۱۷، ص ۹)

۲۔ عدم رضایت، ناخشنودی

۳۔ بدبختی۔

(ج) نامرادی بردن، محروم ماندن، ناکام بودن

اگر ہر چہ باشد مرادت خوری

ز دوری بسی نامرادی بری (سعدی)

(فرہنگ معین ج ۴ ص ۴۶۲۰)

صاحب عالم مارہروی کے خط میں نامرادی و بے مرادی کا قصہ اس طرح ہے۔
وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت بوڑھے چکلے جناب عبدالواسع فرماتے کہ بے مراد صحیح اور نامراد غلط' ارے تیرا ستیاناس جائے بے مراد اور نامراد میں وہ فرق ہے جو زمین اور آسمان میں ہے، نامراد وہ جس کی کوئی خواہش کوئی آرزو نہ برآئے اور بے مراد وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو از قسم بے مدعا، بے غرض و مطلب۔ ادبی خطوط غالب

۱۹۲۲ (۷۷،۷۶)

لغت نامۂ دہخدا میں نامراد، نامرادی اور نامرادی بردن تین الگ الگ اندراج ملتے ہیں، نامراد بے مراد، ناکام، بمقصود نرسیدہ، مایوس، محروم، ناامید، بی بہرہ، بی نصیب

بدخواہ اونشرندو نوان بادو نامراد۔ احباب او بہ عشرت واقبال کامران (فرخی)

ہمراہ او براہ وفا ہمدمی بنود گریہ عنان خود بمن نامراد داد (مشلفقی)
نیامد از منت یکبار یادی کہ گوئی بود اینجا نامرادی (وحشی)
بر کوہ این نامرادی سنگ فرسای بہ نقش پای شیرین چشم ترسای (وصال)
وزان خشت زرین شدّاد عاد چہ آمد بجز خوردن نامراد (نظامی)
روزی بینی بکام دشمن زرماندہ و نامراد مردہ

نامرادی، ناامیدی، یاس احرمان، ناکامی۔
نامرادی رابجان در بستہ ام خدمت غم رامیان در بستہ ام (خاقانی)
نامرادی مراد خاصان است پس قدم در رہ امل منہید (ایضاً)
و درین نامرادی بود تادر شب دوشنبہ از دنیا بہ عقبی رسید (جوینی)

این ہمہ سختی و نامرادی سعدی
گر تو پسندی سعادتست و سلامت (سعدی)

گر مراد تو ای دوست نامرادی ماست
مراد خویش دگر باری نخواہم خواست (سعدی)

ہر کہ درین کسوت تحمل نامرادی نکند مدعی است و خرقہ بروی حرام (مجالس سعدی)

نہ ہجرت غم دہد نی وصل شادی یکی دانی مراد و نامرادی (وحشی)

چو دید از یک نظر یک عمر شادی رسیدش نیز عمری نامرادی (وصال)

کجا شیریں کجا آن دشت و وادی کجا شیریں و کوی نامرادی (〃)

نامرادی، ناخشنودی ۔

چو غوغا کند بر دلم نامرادی من اندر حصار رضا میگریزم (خاقانی)

نامرادی بردن، ناکامی کشیدن، حسرت کشیدن، تحمل رنج و نومیدی کردن ۔

اگر ہر چہ باشد مرادت خوری ز دوری بسی نامرادی بری (سعدی)

(لغت نامۂ دہخدا شمارۂ مسلسل ۸۰، ص ۲۴۶)

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ نامرادی فارسی میں کافی مستعمل ہے اور اس بنا پر سراج الدین علی خان آرزو اور عبدالواسع ہانسوی کے اقوال غیر مستند ہیں ۔

خان آرزو نے حزین کے اشعار پر اپنی تصنیف تنبیہ الغافلین میں اعتراض کئے ہیں، وارستہ نے اپنے ایک رسالے رجم الشیاطین میں ان اعتراضات کا جواب دیا ہے، ان جوابات سے ان کی زباندانی، فن لغت نویسی میں غیر معمولی دستگاہ کا پتا چلتا ہے، مصطلحات میں ایک جگہ آیا ہے ۔ بحذف یای حطی آخر (ہایہای)؛ مومن استر آبادی،

ہای ہوئی میرسد امشب بگوش ہوش یار
ہمنشین از گریۂ پر ہایہا معذور دار

وازین عالم است حذف یای لفظ وای چنانکہ میر معز فطرت گفتہ؛

نالہ انگشتی زند گر برلب خاموش من
آسمان فریاد بر دارد کہ ای واگوش من

لا محالہ سراج الدین علی خان اعتراضی کہ بنا بر حذف یای آخر ہایہای درین شعر شیخ محمد علی حزین کردہ اند؛

بی تو چو شیشۂ شکستہ از گریۂ ہایہاست مارا

وارستہ کی علمی فضیلت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اس کا موازنہ ٹیک چند بہار سے کرتے ہیں، بہار اور وارستہ معاصر تھے، بہار کی شہرۂ آفاق کتاب بہار عجم ہے، بہار عجم وارستہ کی مصطلحات سے کافی پہلے لکھی گئی، اس کا پہلا ایڈیشن ۱۷۵۲ء مطابق ۱۱۶۶ھ میں شائع ہوا اس وقت تک مصطلحات کا نام ونشان نہ تھا وارستہ نے مصطلحات اس کے ۱۴ سال بعد لکھنا شروع کی اس کے مقدمے سے پتا چلتا ہے کہ وہ ۱۵ سال تک اس کے لیے مواد جمع کرتا رہا، اور چونکہ اس کو ہندوستانی فضلا و شعرا پر پورا اعتماد نہ تھا، اس لیے وہ ایرانیوں سے ملتا رہا اور انھیں سے فارسی زبان و فرہنگ کے غوامض سیکھتا رہا۔ بہار کی کتاب بہار عجم اس کے مطالعے میں رہی، بہت ممکن ہے کہ اسی کتاب کی وجہ سے اس کو مصطلحات لکھنے کا شوق ہوا، اس کو بہار عجم میں کوتاہیاں نظر آئیں، غرض وارستہ نے مصطلحات ۱۱۸۰ھ کے بعد تیار کی اور بہار عجم کی بعض کوتاہیوں کو بھی رفع کیا، دراصل وارستہ کی کتاب کے منظر عام پر آنے سے قبل "بہار عجم" کے کئی ایڈیشن نکلے، ڈاکٹر سید عبداللہ کی تحقیق کے مطابق بہار عجم پہلی بار ۱۷۵۲ء میں اور ساتویں بار ۱۷۸۲ء میں چھپی، اور لطف کی بات یہ ہے کہ بہار ہر بار ضروری ترمیم و اضافہ کرتے رہے، چنانچہ ترمیم شدہ ایڈیشن میں مصطلحات کا بیشتر حصہ شامل کر لیا گیا ہے، ڈاکٹر عبداللہ کا اس سلسلے کا ایک طویل اقتباس نقل کرتا ہوں:

> "لالہ ٹیک چند بہار نے جب (بہار عجم کا) دوسرا ایڈیشن تیار کیا تو اس وقت وارستہ کی مصطلحات سے بہت فایدہ اٹھایا، چنانچہ وہ دیباچۂ بہار عجم میں لکھتے ہیں کہ مجھے رسالہ میرافضل ثابت، مصطلحات وارستہ اور رسالۂ مخلص تک پہلی ایڈیشن تیار کرنے کے بعد رسائی ہوئی، بلوخمن CONTRIBUTION میں لکھتے ہیں کہ بہار نے اس کتاب کو کاملاً بہار عجم میں شامل کر لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ رسالہ زیادہ مشہور نہیں ہو سکا۔ ہم نے خود بھی بہار عجم کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بہار بالعموم وارستہ کی تمام عبارتوں کو حرف بحرف بہار عجم میں نقل کر لیتا ہے اور بہت کم اس پر تنقید کرتا ہے، ذیل میں ہم بعض الفاظ و محاورات نقل کرتے ہیں جو بہار نے وارستہ سے حرف بحرف نقل کیے ہیں:

(مصطلحات) (بہار عجم)

وارستہ: آب از آتش برون آوردن و برکشیدن

امر عجیب غیر ممکن بظہور آوردن، شفیع اثر، ایضاً

در گداز دل عجب دستی ست مژگان ترا

آب از آتش برون آرد برنگ شیشہ گر

میر معزی:

من چو خواہم کرد فریاد آب از آتش برکشم

او چو خواہد خورد تشو بر آتش افروز د ز آب

آبی شدن معاملہ: برہم شدن معاملہ و از نظام افتادن بہار عجم

کار، نعمت خان عالی در محاصرۂ حیدرآباد گوید، فقرہ ایضاً

طائفہ را بمقتضای "فاغرقناہم فی الیم" معاملہ

چندان آبی شد کہ دست از حیات ستعار شستہ

اس کے علاوہ یہ مصطلحات حرف بحرف بہار عجم اور وارستہ میں ملتی ہیں:

آب دادن تیغ و خنجر، آب بریسمان بستن، آبلہ بستان، آبدانی، آب آشناک، آتش کش، آتش گیرہ، آتش خوردن، آخر ندارد، آدم بہ آدم می رسد، آزاد درخت، آستین از چشم برداشتن و از مژہ جدا کردن، آستین برخ کشیدن، آستین بر چیز زدن، آستین برگذر گریہ سودن، آستین از دور برداشتن، آستین بر چشم و جبین و دیدہ و دل کشیدن، آستین نداشتن، آسیای فلاں باب چشمۂ خضر و از آب طلائی گردد، آسیای فلانی از بی آبروئی وا گراست، آفتا بگیر، آفتاب مغربی، آلکی، آوردن آب چیز را آوازہ با آواز رسانیدن، آئینہ بر پیشانی بستن وغیرہ وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ بہار نے کہیں کہیں کاٹ چھانٹ کی ... تاہم ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ بہار نے مصطلحات وارستہ کو کاملاً بہار عجم میں شامل کر لیا ہے ... اور جیسا کہ ہم

سطور بالا میں محاورات کی فہرست دے کر واضح کر دیا ہے کہ بہار نے وارستہ کی کتاب کو حرف بحرف نقل کیا ہے۔"

ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ جب تک بہار عجم میں یہ نہ ضبط ہو کہ سارے محاورے مصطلحات سے لیے گئے ہیں اس وقت تک صاحب بہار عجم پر وارستہ سے نقل کر لینے کا الزام عاید نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ دونوں کے ماخذ میں یہ ہوں اور دونوں نے وہیں سے لیا ہو، ایک دوسرے سے نہ لیا ہو، یہ معاملہ بہت مشکل ہے، اور جب تک بہار عجم کے سارے ایڈیشن کا تنقیدی مطالعہ نہ ہو جائے اور پھر مصطلحات سے ان کا مقابلہ نہ ہو، اس وقت تک اس مسئلے کا فیصلہ یک طرفہ ہوگا اور وہ قابل قبول نہ ہوگا۔

البتہ مصطلحات میں بعض مقامات پر بہار عجم کے مندرجات پر اعتراض کیا گیا ہے، مثلاً، آہنگ بچند معنی آمدہ اول آواز موزون . . . وحید،

بلبل دل سوختہ آہنگ خویش　　از نگش باختہ گل رنگ خویش

وحید کی اس بیت میں ٹیک چند بہار نے آہنگ سوختن کو الگ سے ایک محاورہ سمجھا ہے، حالانکہ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ پھول اپنا رنگ کھو چکا ہے اور دل سوختہ بلبل اپنی آواز پیش نظر نسخے کے حاشیہ میں ہے کہ بہار عجم کے متداولہ نسخے میں آہنگ سوختن محاورہ نہیں ہے، (مصطلحات ص ۲۴)

ترک بمعنی کلاہ و گوشۂ کلاہ ۔ نظامی گنجہ فرماید:

زسر ترک برداشت گفتا منم
هزبری که زین گونہ شیر افگنم . . .

مصنف بہار عجم گوید کہ بعض شارحین در معنی بیت مذکور شیخ گنجہ نوشتہ اند کہ وقت خوشی و مفاخرت کلاہ از سر برداشتن رسم ولایت است، اما این معنی از ہیچ کتاب ظاہر نیست، بل آنچہ دیدہ شد ہنگام تواضع از فرنگیان چنیں رسم سر می زند، بہتر آنست کہ کلاہ از سر مخالف برداشتن بود یعنی کلاہ از سر

خصم مقتول بر داشتہ بمردم نمود کہ از من چنین کاری بوجود آمدہ، و این از راہ مفاخرت باشد انتہی کلامہ، بندہ وارستہ از ثقات ایران شنیدہ کہ چوں کسی خواہد خود را بدیگری بشناساند کلاہ را از مقدم سر یک سو کند و بموخر سر برساند، و ایں کنایہ است از گردن سروری خود و گویدہاں! مرا بشناس کہ من بایں بزرگی و شجاعتم۔ (ص ۱۲۲)

اس میں شبہ نہیں کہ سر سے ٹوپی اتارنے کے محاورہ کو مقتول کے سر سے خود اتارنے کے معنی میں خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔

عرفی شیرازی: بعشوۂ کہ زلیخا بریدازو کف دست
بفتنۂ کہ میحا گزید از و سردار

مصنف بہار عجم نے اس شعر پر ایراد کیا ہے اور کہا کہ اس پر اعتراض یہ ہے کہ زنان مصر کا ہاتھ کاٹنا نص قرآن سے ثابت ہے، اس وقت زلیخا کے ہاتھ کاٹنے کی صورت میں عرفی سے اس کا صدور موجب تعجب ہے، اور دوسرے مصرعے کا مضمون واقعے سے دور ہے اس لیے کہ حضرت عیسیٰ سولی پر نہیں چڑھائے گئے تھے، حضرت عیسیٰ پر جو اتہام لگایا گیا، جس کی وجہ سے وہ سولی پہ لٹکائے گئے اس کی وجہ جناب بہار کے گوش گزار نہ ہوئی اس کی بنا پر وہ ایسا کہتے ہیں، یہ حکایت تفسیر بیضاوی میں مفصل مرقوم است، جس کو خواہش ہو وہاں دیکھ لے، اور صاحب جلالین (جلالین مختصر اور مفید تفسیر ہے) کہتے ہیں:

المقتول المصلوب ہو صاحبہم ای القی علیہ شبہہ نظنوہ ایاہ،

مطلب یہ کہ مصلوب اصحاب یہود میں سے تھا جو خدا کی قدرت سے حضرت عیسیٰ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ سمجھ کر اسے سولی پہ چڑھادیا، پس حضرت عیسیٰ کی پھانسی کے منصوص ہونے میں شبہ نہیں رہا، زنان مصر کا ہاتھ کاٹنا زلیخا کے عشوہ کی بنا پر تھا جس نے اپنی برأت کے لیے یہ کھیل کھیلا تھا، درحقیقت زنان مصر کے ہاتھ زلیخا نے کاٹے تھے نہ کہ زلیخا نے اپنے ہاتھ کاٹے، غرض (بہار کے) دونوں اعتراض عدم واقفیت کے نتیجے

ہیں۔ خطای بزرگان گرفتن خطاست (ص ۱۶۱-۱۶۲)

اگرچہ میرے نزدیک وارستہ کی تاویل میں وزن نہیں اور بہار کے اعتراض اپنی جگہ باقی ہیں، لیکن اس کے باوجود وارستہ نے بہار کے اعتراض کے رد میں اپنی بڑی قابلیت اور علمی فضیلت کا ثبوت دیا ہے۔

سیاہ پستان، زنی کہ فرزندش نزیدو اگر بہ پسر غیر شیر دہد او ہم بمیرد،

باقر کاشی، امسال خوش بہار است ای باغبان مبارک

ابر سیاہ پستان بر بوستان مبارک

مصنف بہار عجم نے اعجاز رشیدی میں اس شعر میں سیاہ پستان کے معنی بہت برسنے والا بادل قرار دیا تھا، حالانکہ این معنی جمہور کے قول کے خلاف ہے، اور ساتھ ہی سیاہ پستان کے اصلی معنی اس شعر میں بالکل ٹھیک اترتے ہیں، فتامل (ص ۲۷۰-۲۷۱)

میرے نزدیک وارستہ کا مصنف بہار عجم پر اعتراض صحیح نہیں، اس لیے کہ زن "سیاہ پستان" نحوست کی علامت ہے، تو ابر سیاہ پستان بھی منحوس ہونا چاہیے، اس کی نحوست یہ ہوگی کہ جس زمین پر وہ برسے گا اس پر گھاس، پیڑ پتی، سب سوکھ جائیں گے، ایسا ابر بوستان کے لیے قابل مبارک نہیں ہو سکتا، بالفاظ دیگر ابر سیاہ پستان سے مراد ایسا بادل ہو جو پانی سے لدا ہو، اور ایسا بادل خوب برسے گا اور اس کی وجہ سے باغ سرسبز و شاداب ہوگا، سیاہ بادل برسانے والا ہوتا ہے، سیاہ پستان جب بادل کی صفت ہو تو اس سے یہ مراد ہوگی کہ جس طرح پستان مادر دودھ سے بھر ہوتی ہے، اسی طرح بادل بھی پانی سے بھرا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر معین کی فرہنگ ج ۲ ص ۱۹۶۸ میں سیاہ پستان کے یہ معانی درج کئے ہیں

۱۔ زنی کہ پستانش سیاہ رنگ باشد

۲۔ زنی کہ کودک خود را مراقبت و تربیت نکند (کنایہ)

۳۔ زنی کہ ہر کودک کہ شیر اورا بخورد، بمیرد (کنایہ)

اس بیان سے واضح ہے کہ سیاہ پستان اصلی و لغوی معنی میں (یعنی سیاہ رنگ)

استعمال ہوتا ہے، اس کی رو سے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ابر سیاہ پستان کے معنی ابر سیاہ کے ہیں جو خوب برسنے والا ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں باقر کاشی ابر سیاہ پستان کی آمد پر بوستان کو تبریک عرض کرتا ہے۔

وارستہ اور ان کی مصطلحات کے بارے میں جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان فارسی زبان کا برّام کز ہو چکا تھا جس کو چار و ناچار تسلیم ہی کرنا ہے، دوسرا اہم نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فارسی زبان اور فرہنگ کے معاملے میں ہندوؤں کی خدمات مسلمانوں سے زیادہ ہیں، ان کی زباندانی مسلّم ہے، اس لیے "بوے کچوری می آید" کا فقرہ خود اس فقرے کے چست کرنے والوں پر عاید ہوتا ہے، البتہ افسوس کی بات یہ ہے کہ فارسی فرہنگ نویسی کا صحیح مطالعہ نہیں ہو سکا ہے، ضرورت ہے کہ یہ موضوع تحقیقی مطالعے کا موضوع قرار دیا جائے تاکہ محققین زبان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔